بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الحجرات (49)

آیت نمبر (1 تا 8)

م	ح	ن

(ف) مَحۡنًا آزمانا۔

(افتعال) اِمۡتِحَانًا اہتمام سے آزمانا۔امتحان لینا۔ٹیسٹ کرنا۔زیر مطالعہ آیت۔3۔

اِمۡتَحِنۡ فعل امر ہے۔تو امتحان لے۔تو جانچ لے۔﴿اِذَا جَآءَکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامۡتَحِنُوۡهُنَّ ؕ﴾ (60/الممتحنۃ:10) ”جب آئیں تمہارے پاس مومن خواتین ہجرت کرنے والی ہوتے ہوئے تو تم لوگ جانچ لوان کو۔“

ترکیب

(آیت۔1) بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ میں یَدَیِ دراصل بَیۡنَ کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جر میں تثنیہ کا صیغہ یَدَیۡنِ تھا۔یہ آگے لفظ اللہ کا مضاف بن رہا ہے اس لیے نون اعرابی گرا تو یَدَیۡ باقی بچا۔آگے ملانے کے لیے ی کو کسرہ دی گئی ہے۔اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ تثنیہ کے صیغے کی یائے ساکن کو آگے ملانے کے لیے کسرہ دیتے ہیں جبکہ یائے متکلم (جو ساکن ہی ہوتی ہے) کو آگے ملانے کے لیے فتح دیتے ہیں۔(دیکھیں آیت۔2/40، ترکیب) یہی وجہ ہے کہ فِیۡ کِتَابِیَ الَّذِیۡ کا مطلب ہے میری اس کتاب میں جو۔جبکہ فِیۡ کِتَابِیَ الَّذِیۡ کا مطلب ہے ان دونوں کتابوں میں جو۔

ترجمہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا	لَا تُقَدِّمُوۡا	بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ
اے لوگو! جو ایمان لائے	تم لوگ آگے مت کرو (اپنی رائے کو)	اللہ اور اس کے رسول کے سامنے

وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ	اِنَّ اللّٰہَ	سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ①	یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا	لَا تَرۡفَعُوۡۤا
اور اللہ (کے غضب) سے ڈرو	بیشک اللہ	سے والا جاننے والا ہے	اے لوگو! جو ایمان لائے	تم لوگ بلند مت کرو

اَصۡوَاتَکُمۡ	فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ	وَ لَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ	کَجَهۡرِ بَعۡضِکُمۡ
اپنی آوازوں کو	ان نبیؐ کی آواز کے اوپر	اور اونچا مت بولو انؐ کے لیے بات میں	جیسے تمہارے کسی کا اونچا بولنا

لِبَعۡضٍ	اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ	وَ	اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ②
کسی کے لیے	کہیں اکارت جائیں تمہارے اعمال	اس حال میں کہ	تم لوگ شعور نہ رکھتے ہو

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ	اَصۡوَاتَهُمۡ	عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ	اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ	امۡتَحَنَ اللّٰہُ
بیشک جو لوگ نیچی رکھتے ہیں	اپنی آوازوں کو	اللہ کے رسول کے پاس	یہ وہ لوگ ہیں	امتحان لے لیا اللہ نے

قُلُوۡبَهُمۡ	لِلتَّقۡوٰی ؕ	لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ	وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ③	اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ
جن کے دلوں کا	تقویٰ کے لیے	ان کے لیے مغفرت ہے	اور اجرِ عظیم ہے	بیشک جو لوگ پکارتے ہیں آپؐ کو

مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ	اَكْثَرُهُمْ	لَا يَعْقِلُوْنَ ۝٤	وَ لَوْ اَنَّهُمْ	صَبَرُوْا حَتّٰى
کمروں کے پیچھے سے	ان کے اکثر	عقل نہیں کرتے	اور اگر یہ کہ وہ لوگ	صبر کرتے یہاں تک کہ

تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ	لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ	وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥	يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
آپ ؐ نکلتے ان کی طرف	تو یقیناً بہتر ہوتا ان کے لیے	اور اللہ بے انتہا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے	اے لوگو! جو ایمان لائے

اِنْ جَآءَكُمْ	فَاسِقٌۢ	بِنَبَاٍ	فَتَبَيَّنُوْٓا	اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا	بِجَهَالَةٍ
اگر آئے تمہارے پاس	کوئی احتیاط نہ کرنے والا	کسی خبر کے ساتھ	تو تحقیق کرلو	کہیں تم لوگ جالگو کسی قوم کو	غلط خیالات کے سبب سے

فَتُصْبِحُوْا	عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ	نٰدِمِيْنَ ۝٦	وَاعْلَمُوْٓا	اَنَّ فِيْكُمْ
نتیجتاً تم لوگ ہو جاؤ	اس پر جو تم لوگوں نے کیا	پشیمان ہونے والے	تم لوگ جان لو	کہ تم لوگوں (کے درمیان) میں

رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ	لَوْ يُطِيْعُكُمْ	فِيْ كَثِيْرٍ	مِّنَ الْاَمْرِ	لَعَنِتُّمْ
اللہ کے رسول ہیں	اگر وہ کہا مانیں تمہارا	اکثر میں	معاملات میں سے	تو ضرور تم لوگ مشکل میں پڑو گے

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ	وَ زَيَّنَهٗ	فِيْ قُلُوْبِكُمْ
اور لیکن اللہ نے	پیارا بنایا تمہارے لیے ایمان کو	اور اس نے سجا دیا اس کو	تمہارے دلوں میں

وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ	الْكُفْرَ	وَالْفُسُوْقَ	وَالْعِصْيَانَ ؕ	اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝٧
اور اس نے ناگوار کر دیا تمہارے لیے	کفر کو	اور غیر محتاط رویوں کو	اور نافرمانی کو	یہ لوگ ہی نیک راہ پر چلنے والے ہیں

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ	وَنِعْمَةً ؕ	وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٨
فضل ہوتے ہوئے اللہ (کی طرف) سے	اور نعمت ہوتے ہوئے	اور اللہ جاننے والا حکمت والا

نوٹ:1

آیت۔۲/26، نوٹ۔2۔ میں ہم نے تفسیر حقانی سے فاسق کے تین درجے نقل کیے ہیں۔ اس میں پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی نافرمانی کو برا سمجھتا ہے لیکن بشری تقاضے کے تحت کبھی نافرمانی کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ہم نے فاسق کا ترجمہ احتیاط نہ کرنے والے اور فسوق کا ترجمہ غیر محتاط رویوں سے کیا ہے۔

نوٹ:2

اس سے پہلی دو سورتوں میں جہاد کے احکام تھے جس سے اصلاح عالم و آفاق مقصود ہے۔ اس سورت میں اصلاح نفس کے احکام مذکور ہیں، خصوصاً وہ احکام جو آداب معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ (معارف القرآن۔ خلاصۂ تفسیر سے ماخوذ) یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ قرآن میں احکام و ہدایات کا نزول حالات کے تقاضوں کے تحت ہوا ہے تاکہ لوگوں پر ان کی صحیح قدر و قیمت واضح ہو سکے۔ چنانچہ یہ سورۃ بھی ایسے حالات میں نازل ہوئی ہے جب نئے نئے اسلام میں داخل ہونے والوں کی طرف سے بعض باتیں ایسی سامنے آئیں جن سے ظاہر ہوا کہ یہ لوگ نہ تو رسول کے مقام و مرتبہ سے واقف ہیں اور نہ اسلامی معاشرے میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ میں ضروری ہدایات دے دی گئیں جو ضروری تھیں۔ ان ہدایات کا تعلق تمام تر نبی ﷺ اور مسلمانوں کے باہمی حقوق سے ہے۔ کفار کا معاملہ اس میں زیر بحث نہیں آیا۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 3

ان آیات میں خطاب اگرچہ عام ہے لیکن جن لوگوں کا رویہ اس سورۃ میں زیر بحث آیا ہے وہ اطراف مدینہ کے بدو قبائل ہیں جو اسلام کی ابھرتی ہوئی طاقت سے متاثر ہو کر مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے لیکن یہ لوگ اسلام کو سمجھ کر نہیں بلکہ اس سے مرعوب ہو کر اس میں داخل ہوئے اور مرکز سے بے تعلق رہنے کی وجہ سے ان کی تربیت بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے اندر ایک غلط قسم کا پندار تھا کہ انہوں نے کسی جنگ کے بغیر نبی ﷺ کی اطاعت کر لی جو آپؐ پر ان کا ایک احسان ہے۔ اس پندار کا اثر یہ تھا کہ ان کے سردار جب مدینہ آتے تو رسول اللہ ﷺ سے اس انداز سے بات کرتے گویا وہ اسلام کے بڑے مربی و محسن ہیں۔ بغیر اس کے کہ کسی معاملہ میں آپؐ ان کی رائے دریافت کریں آگے بڑھ بڑھ کے خود ہی مشورے دینے کی کوشش کرتے۔ ان میں ہر ایک آپؐ کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کرتا اور اس غرض کے لیے وہ اپنے حریفوں سے متعلق بعض اوقات ایسی خبریں بھی آپؐ کو پہنچاتے جو غلط فہمی پیدا کرنے والی ہوتیں۔ یہ حالات تھے جن میں یہ سورہ نازل ہوئی۔

واضح رہے کہ یہاں رسول اللہ ﷺ کو رائے دینے کی ممانعت نہیں ہے۔ آپ صحابہ سے ان کی رائے معلوم بھی فرماتے اور صحابہ اپنی رائے پیش بھی کرتے تھے۔ یہاں ممانعت اس بات کی ہے کہ کوئی شخص اللہ کے رسول کو مجرد ایک لیڈر سمجھ کر اور اپنے آپ کو ان سے زیادہ مدبر خیال کر کے حضورؐ کو اپنی رائے سے متاثر کرنے اور اپنی رائے کو حضورؐ کی بات پر مقدم کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے تو وہ رسول کے مقام و مرتبہ سے بے خبر ہے۔ اللہ کا رسول اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کی ہدایت کے تحت کرتا ہے۔ اگر کوئی ان کی بات پر اپنی بات کو مقدم کرنے کی جسارت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی رائے کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر مقدم کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے زمانے میں یہ تنبیہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اسلام کی خدمت کے دعوے کے ساتھ اس کی اقدار کو مسخ اور اس کے قوانین میں تحریف کر رہے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جس شکل میں اسلام دیا ہے اس شکل میں وہ اس دور میں نہیں چل سکتا۔ ضروری ہے کہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق اس کی اصلاح کی جائے ایک شخص بہت سے کام اپنی دانست میں دین کے کام سمجھ کر دین ہی کی خدمت کے لیے کرتا ہے لیکن اس کے اندر یہ پندار سمایا ہوا ہو کہ وہ اللہ کے دین پر کوئی احسان کر رہا ہے اور اس زعم میں وہ اللہ کے رسول کے مقام و مرتبہ کا احترام نہ کرے تو اس کے سارے اعمال اکارت ہو کے رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کے لیے کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے ہاں شرف قبولیت صرف انہی لوگوں کے اعمال کو حاصل ہوگا جو اس کے دین کی خدمت صرف اس کی رضا کے لیے اور ٹھیک ٹھیک اس کی مقرر کردہ شرائط کے مطابق انجام دیں گے۔ اس کے ساتھ ہی دل سے اس حقیقت کا اعتراف کرتے رہیں گے کہ یہ خدمت انجام دے کر انہوں نے اللہ و رسول پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ اللہ کا احسان خود ان کے اوپر ہوا ہے کہ اس نے ان کو اپنے دین کی خدمت کی توفیق عطا کی۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 4

آیت۔ 7۔ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ میں کوئی فاسق بھی ہو سکتا ہے اور یہ اس متفق علیہ ضابطہ کے خلاف ہے کہ صحابہؓ سب کے سب ثقہ ہیں اور ان کی خبر و شہادت پر کوئی گرفت نہیں کی جا سکتی۔ علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں فرمایا کہ اس معاملہ میں حق بات وہ ہے جس کی طرف جمہور علماء گئے ہیں کہ صحابۂ کرام معصوم نہیں ان سے گناہ کبیرہ بھی سرزد ہو سکتا ہے جو فسق ہے اور اس گناہ کے وقت ان سے وہی معاملہ کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں یعنی شرعی سزا دی جائے گی۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ نصوصِ قرآن و سنت کی بنا پر یہ ہے کہ صحابی سے گناہ تو ہو سکتا ہے مگر کوئی صحابی ایسا نہیں جو گناہ سے توبہ کر کے پاک نہ ہو گیا ہو۔ قرآن نے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا فیصلہ صادر فرما دیا ہے۔ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (9/التوبہ۔100) اور رضائے الٰہی گناہوں کی معافی کے بغیر نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا اعلان صرف انہی کے لیے فرمایا ہے جن کے متعلق وہ جانتا ہے کہ ان کی وفات موجبات رضا پر ہوگی۔ (معارف القرآن)۔

6726

آیت نمبر (9 تا 12)

ن ب ز

(ض) نَبْزًا کسی کو شرمندہ کرنا۔ بُرا لقب دینا۔

(تفاعل) تَنَابُزًا ایک دوسرے کو شرمندہ کرنا۔ لقب دینا۔ زیرِ مطالعہ آیت۔ 11

ل ق ب

(س) لَقَبًا اصلی نام کے علاوہ دوسرا نام رکھنا۔ لقب رکھنا۔

لَقَبٌ ج اَلْقَابٌ اسم ذات بھی ہے۔ اصلی نام کے علاوہ دوسرا نام۔

ج س س

(ن) جَسًّا نبض کو چھو کر صحت کی کیفیت معلوم کرنا۔ کسی چیز کو ٹٹول کے اس کی کیفیت معلوم کرنا۔

(تفعل) تَجَسُّسًا بتکلف کسی کے اندرونی حالات معلوم کرنے کی ٹوہ میں لگنا۔ تجسس کرنا۔ زیرِ مطالعہ آیت۔ 12

ترجمہ

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ	مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	اقْتَتَلُوْا	فَاَصْلِحُوْا	بَيْنَهُمَا ج
اور اگر کوئی دو جماعت	مومنوں میں سے	آپس میں لڑ پڑیں	تو تم لوگ صلح کراؤ	ان دونوں کے درمیان

فَاِنْۢ بَغَتْ	اِحْدٰىهُمَا	عَلَى الْاُخْرٰى	فَقَاتِلُوا	الَّتِيْ	تَبْغِيْ
پھر اگر سرکشی کرے	ان دونوں کی کوئی ایک	دوسری پر	تو تم لوگ جنگ کرو	اس سے جس نے	سرکشی کی

حَتّٰى تَفِيْٓءَ	اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ج	فَاِنْ فَآءَتْ	فَاَصْلِحُوْا	بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ
یہاں تک کہ وہ پلٹ آئے	اللہ کے حکم کی طرف	پھر اگر وہ پلٹ آئے	تو (پھر) صلح کراؤ	ان دونوں کے درمیان برابری سے

وَاَقْسِطُوْا ط	اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ	الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۹﴾	اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ
اور حق کے مطابق کرو	بیشک اللہ پسند کرتا ہے	حق کے مطابق کرنے والوں کو	کچھ نہیں سوائے اس کے کہ سارے ایمان لانے والے

اِخْوَةٌ	فَاَصْلِحُوْا	بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع
بھائی ہیں	تو صلح کراؤ	اپنے دونوں بھائی کے درمیان	اور تقویٰ اختیار کرو اللہ کا	شاید تم لوگوں پر رحم کیا جائے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	لَا يَسْخَرْ	قَوْمٌ	مِّنْ قَوْمٍ	عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا
اے لوگو! جو ایمان لائے	مذاق نہ کرے	کوئی گروہ	کسی (دوسرے) گروہ سے	ہوسکتا ہے کہ وہ ہوں

خَيْرًا	مِّنْهُمْ	وَلَا نِسَآءٌ	مِّنْ نِّسَآءٍ	عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ
بہتر	ان سے	اور نہ ہی (مذاق کریں) عورتیں	(دوسری) عورتوں سے	ہوسکتا ہے کہ وہ ہوں

خَيْرًا	مِّنْهُنَّ ۚ	وَلَا تَلْمِزُوْٓا	اَنْفُسَكُمْ	وَلَا تَنَابَزُوْا	بِالْاَلْقَابِ ؕ
بہتر	ان سے	اورتم لوگ نکتہ چینی مت کرو	اپنوں کی	اورشرمندہ مت کرو (اپنوں کو)	دوسرے ناموں (لقب) سے

بِئْسَ الِاسْمُ	الْفُسُوْقُ	بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ	وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ
کتنا برا ہے نام	فسوق کا	ایمان کے بعد	اورجس نے توبہ کی ہی نہیں

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا	اجْتَنِبُوْا	كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫
تو وہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں	اے لوگو! جو ایمان لائے	تم لوگ بچو	بہت زیادہ گمان کرنے سے

اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ	اِثْمٌ	وَّلَا تَجَسَّسُوْا	وَلَا يَغْتَبْ
بیشک گمان کے بعض	گناہ ہیں	اورتجسس مت کرو	اورغیبت نہ کرے

بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ	اَيُحِبُّ	اَحَدُكُمْ	اَنْ يَّاْكُلَ	لَحْمَ اَخِيْهِ	مَيْتًا
تم میں کا کوئی کسی کی	کیا پسند کرتا ہے	تمہارا کوئی ایک	کہ وہ کھائے	اپنے بھائی کا گوشت	اس حال میں کہ (وہ بھائی) مردہ ہو

فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ	وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	تَوَّابٌ	رَّحِيْمٌ ⑫
تو تم نے کراہیت کی اس سے	اورتقویٰ اختیار کرو اللہ کا	بیشک اللہ	بار بار توبہ قبول کرنے والا	رحم کرنے والا ہے

نوٹ: 1

مسلمانوں کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ زیادتی کرنے والے کو زیادتی کرنے دیں اور جس پر زیادتی کی جارہی ہو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں یا الٹا زیادتی کرنے والے کا ساتھ دیں۔ بلکہ ان کا فرض یہ ہے کہ اگر لڑنے والے فریقین میں صلح کرانے کی تمام تر کوششیں ناکام ہو جائیں تو پھر یہ دیکھیں کہ حق پر کون ہے۔ جو حق پر ہو اس کا ساتھ دیں اور زیادتی کرنے والے سے لڑیں۔ اس لڑائی کا چونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس لیے یہ جہاد کے حکم میں ہے۔ اس کا شمار اس فتنے میں نہیں ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس میں کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہے اور بیٹھ جانے والا کھڑا رہنے والے سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس فتنے سے مراد مسلمانوں کی وہ باہمی لڑائی ہے جس میں فریقین طلب دنیا کے لیے لڑ رہے ہوں اور دونوں میں سے کوئی بھی حق پر نہ ہو۔ یہ لڑائی جو زیادتی کرنے والے کے مقابلے میں برسرحق گروہ کی حمایت کے لیے لڑی جائے، وہ فتنے میں حصہ لینا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ تمام فقہاء کا اس کے وجوب پر اتفاق ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ سے مراد اس فیصلے کے آگے جھکنا ہے جو مصالحت کرانے والوں نے فریقین کے سامنے رکھا ہے۔ اگر کوئی فریق اس مصالحت سے گریز اختیار کر رہا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے جھکنے سے گریز اختیار کر رہا ہے اس لیے کہ اس صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسی بات کا حکم دیا ہے۔ اور جب اللہ نے اس کا حکم دیا ہے تو اس کی حیثیت امر اللہ کی ہے۔ اب اس زمانے میں یہ پیچیدہ صورتحال پیدا ہوگئی ہے کہ بہت سی چھوٹی بڑی مسلمان حکومتیں الگ الگ قائم ہوگئی ہیں۔ ان کے درمیان اگر جنگ چھڑ جائے تو دوسری مسلمان حکومتوں کے لیے اس سے بالکل الگ تھلگ رہنا تو جائز نہیں ہے، مصالحت کی کوشش ہر ایک کو کرنی ہوگی، البتہ مداخلت کا معاملہ صورتِ حال پر منحصر ہے جس کا تعلق وقت کے سیاسی تقاضوں سے ہے۔ اگر مداخلت سے مزید بین المللی یا بین الاقوامی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو عملی مداخلت سے تو گریز اختیار کیا جائے گا لیکن مصالحت کی جدوجہد سے گریز کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

شیطان نے بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لیے جو فتنے ایجاد کیے ہیں ان میں ایک بہت بڑا فتنہ خاندان، برادری اور کنبہ قبیلہ کے شرف و امتیاز کا فتنہ ہے اور بہت کم ایسے خوش نصیب نکلتے ہیں جو خود کو اس فتنہ سے محفوظ رکھ سکیں۔ جو لوگ اس فتنہ میں مبتلا ہوتے ہیں وہ دوسروں کو اپنے مقابلہ میں حقیر خیال کرتے ہیں جس کا اظہار ان کے قول، فعل اور رویہ سے ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ چیزیں پختہ ہو کر ان کے ہاں روایت کی حیثیت

اختیار کر لیتی ہیں۔ بلکہ جہاں بس چلتا ہے وہاں وہ ان کو مذہب کا درجہ بھی دے دیتے ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں میں برہمنوں نے، یہود میں بنی لاوی نے اور عربوں میں قریش نے اسی طرح تقدس کا ایک ایسا مقام اپنے لیے پیدا کر لیا جس کو چیلنج کرنا دوسروں کے لیے ممکن نہیں رہ گیا۔ یہی حال ہر قوم کا ہوا ہے اور مساوات انسانی کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود آج بھی یہی حال ہے۔ یہاں تک کہ مسلمان جو اس فتنہ کی بیخ کنی کے لیے برپا کیے گئے تھے وہ بھی آج نہ جانے کتنی برادریوں، قبیلوں اور قوموں میں تقسیم ہیں اور ہر ایک ہمچو من دیگرے نیست کے نشہ سے سرشار ہے، جس کا اظہار ہر قوم وقبیلہ کے عوام وخواص کے بیانات اور نعروں سے ہوتا ہے جس سے فطری طور پر ایک دوسرے کے خلاف نفرت و کدورت پیدا ہوتی ہے جو عداوت اور بغض کی شکل اختیار کر کے بالآخر خون خرابے تک پہنچ جاتی ہے۔ یہاں قرآن نے مسلمانوں کو اسی آفت سے محفوظ رہنے کی ہدایت کی ہے کہ ہم کو اللہ نے تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی بخشی ہے۔ تمہارا معاشرہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کی اساس پر قائم ہے۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے لیے رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ بنائے گئے ہو تو اپنے دوسرے بھائیوں کو اپنے طنز اور حقارت آمیز الفاظ کا ہدف بنا کر اس معاشرہ کا حلیہ مسخ مت کرو۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 3

غیبت کی تعریف یہ ہے کہ آدمی کسی شخص کے پیٹھ پیچھے اس کے متعلق ایسی بات کہے جو اگر اسے معلوم ہو تو اس کو ناگوار گزرے۔ یہ تعریف خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔ آپؐ کی دوسری نظریوں سے استفادہ کر کے فقہاء نے غیبت کی مندرجہ ذیل صورتیں جائز قرار دی ہیں۔

(۱) ظالم کے خلاف مظلوم کی شکایت اس شخص کے سامنے جس سے وہ یہ توقع رکھتا ہو کہ وہ ظلم کو رفع کرنے کے لیے کچھ کر سکتا ہے۔ (۲) اصلاح کی نیت سے کسی کی برائیوں کا ذکر ایسے لوگوں کے سامنے جن سے یہ امید ہو کہ وہ اصلاح کرنے کے لیے کچھ کر سکیں گے۔ (۳) فتویٰ مانگنے کی غرض سے کسی مفتی کے سامنے صورت واقعہ بیان کرنا جس میں کسی کے کسی غلط فعل کا ذکر آ جائے۔ (۴) کسی کو کسی کے شر سے خبردار کرنا تا کہ وہ اس کے نقصان سے بچ سکے۔ مثلاً کوئی شخص کہیں شادی کا رشتہ کرنا چاہتا ہو یا کسی کے پڑوس میں مکان لینا چاہتا ہو یا کسی سے شرکت کا معاملہ کرنا چاہتا ہو اور آپ سے مشورہ لے تو آپ کے لیے واجب ہے کہ اس کا عیب وصواب اسے بتا دیں تا کہ ناواقفیت میں وہ دھوکا نہ کھائے۔ (۵) جو لوگ کسی بُرے لقب سے اس قدر مشہور ہو چکے ہوں کہ وہ اس لقب کے علاوہ کسی اور لقب سے پہچانے نہ جا سکیں، ان کے لیے وہ لقب استعمال کرنا بغرض تعریف (پہچان کرانا) نہ کہ بغرض تنقیص۔

مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ پیٹھ پیچھے کسی کی بدگوئی کرنا مطلقاً حرام ہے۔ یہ بدگوئی اگر سچی ہو تو غیبت ہے، جھوٹی ہو تو بہتان ہے اور دو آدمیوں کو لڑانے کے لیے ہو تو چغلی ہے۔ شریعت ان تینوں چیزوں کو حرام کرتی ہے۔ اسلامی معاشرے میں ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ اگر اس کے سامنے کسی شخص پر جھوٹی تہمت لگائی جا رہی ہو تو وہ اس کو خاموشی سے نہ سنے بلکہ اس کی تردید کرے اور اگر کسی جائز شرعی ضرورت کے بغیر کسی کی سچی برائی بیان کی جا رہی ہے تو اس گناہ کا ارتکاب کرنے والے کو اللہ سے ڈرانے اور اس سے باز رہنے کی تلقین کرے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی حمایت ایسے موقع پر نہیں کرتا جہاں اس کی تذلیل کی جا رہی ہو اور اس کی عزت پر حملہ کیا جا رہا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حمایت ایسے موقع پر نہیں کرتا جہاں وہ اللہ کی مدد کا خواہاں ہو۔ اور اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی حمایت ایسے موقع پر کرتا ہے جہاں اس کی عزت پر حملہ کیا جا رہا ہو اور اس کی تذلیل وتوہین کی جا رہی ہو تو اللہ عزوجل اس کی مدد ایسے موقع پر کرتا ہے جہاں وہ چاہتا ہے کہ اللہ اس کی مدد کرے۔

رہا غیبت کرنے والا، تو جس وقت بھی اسے احساس ہو جائے کہ وہ اس گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے یا کر چکا ہے، تو اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ اللہ سے توبہ کرے اور اس حرام فعل سے رک جائے۔ اس کے بعد دوسرا فرض اس پر یہ ہے کہ حتی الامکان اس کی تلافی کرے۔ اگر اس نے کسی مرے ہوئے آدمی کی غیبت کی ہو تو اس کے حق میں کثرت سے دعائے مغفرت کرے۔ اگر کسی زندہ آدمی کی غیبت کی ہو اور وہ خلاف واقعہ بھی ہو تو ان لوگوں کے سامنے اس کی تردید کرے جن کے سامنے وہ یہ بہتان تراشی کر چکا ہے۔ اور اگر سچی غیبت کی ہو تو آئندہ پھر کبھی اس کی برائی نہ کرے اور اس شخص سے معافی مانگے جس کی اس نے برائی کی تھی۔ علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ معافی صرف اس صورت میں مانگنی چاہیے جبکہ اس شخص کو اس کا علم ہو چکا ہو۔ ورنہ صرف توبہ پر اکتفا کرنا چاہیے۔ (تفہیم القرآن۔ ج 5۔ ص 90 تا 94 سے ماخوذ)

حضرت میمونؒ نے فرمایا کہ میں نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ ایک زنگی کا مردہ جسم ہے اور کوئی کہنے والا مجھے مخاطب کر کے یہ کہہ رہا ہے کہ اس کو کھاؤ میں نے کہا کہ اللہ کے بندے میں اس کو کیوں کھاؤں۔ تو اس نے کہا اس لیے کہ تو نے فلاں شخص کے زنگی غلام کی غیبت کی ہے۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے تو اس کے متعلق کوئی اچھی یا بُری بات کی ہی نہیں۔ تو اس نے کہا کہ ہاں، لیکن تو نے اس کی غیبت سنی تو ہے۔ اس خواب کے بعد حضرت میمونؒ کا حال یہ ہو گیا کہ نہ خود کبھی کسی کی غیبت کرتے اور نہ کسی کو اپنی مجلس میں کسی کی غیبت کرنے دیتے۔ (معارف القرآن)۔

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاۃ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کارخیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول و منظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب

کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: info@khuddam-ul-quran.com, www.khuddam-ul-quran.com

0412437781,0412437618,03217805614

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد

6744

آیت نمبر (13 تا 18)

ل	ی	ت

(ض) لَیْتًا کسی سے کسی چیز کو پھیر دینا۔ روک لینا۔ حق سے کم دینا۔ زیر مطالعہ آیت۔14۔

لَیْتَ یہ حرف تمنّٰی ہے۔ گذشتہ کوتاہی پر اظہار تاسف کے لیے آتا ہے۔ کاش۔ ﴿یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾﴾ (78/النبا:40) ''اے کاش میں ہوتا ایک مٹی۔''

ترکیب

(آیت۔13) لِتَعَارَفُوْا میں تَعَارَفُوْا باب تفاعل سے ماضی کا صیغہ نہیں ہوسکتا کیونکہ ماضی پر لام کی نہیں آتا۔ اس لیے یہ اصلاً مضارع میں تَتَعَارَفُوْنَ ہے جس کی ایک تا گرا دینا جائز ہے۔ جس کی وجہ سے یہ تَعَارَفُوْنَ ہوا۔ پھر لام کی داخل ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گر گیا تو تَعَارَفُوْا ہوگیا۔ (آیت۔14)۔ لَمَّا یہاں پر جازم مضارع کے طور پر آیا ہے۔ اس لیے یہ لَمَّا یَدْخُلْ ہے۔ جسے آگے ملانے کے لیے لام کو کسرہ دی گئی ہے۔ یہ لَمْ یَدْخُلْ سے مختلف ہے۔ لَمْ یَدْخُلْ کا مطلب ہے داخل ہوا ہی نہیں۔ جبکہ لَمَّا یَدْخُلْ کے معنی ہیں ابھی تک داخل نہیں ہوا۔ لَا یَلِتْکُمْ بھی دراصل مضارع لَا یَلِیْتُکُمْ ہے۔ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا تو یا گر گئی اور لَا یَلِتْ استعمال ہوا۔

ترجمہ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ	اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ	مِّنْ ذَكَرٍ	وَّ اُنْثٰى	وَ جَعَلْنٰكُمْ
اے لوگو	بیشک ہم نے پیدا کیا تم لوگوں کو	ایک مرد سے	اور ایک عورت سے	اور ہم نے بنایا تم لوگوں کو

شُعُوْبًا	وَّ قَبَآىِٕلَ	لِتَعَارَفُوْا ؕ	اِنَّ اَكْرَمَكُمْ	عِنْدَ اللّٰهِ
قومیں	اور قبیلے	تاکہ تم لوگ ایک دوسرے کو پہچانو	بیشک تم لوگوں کا زیادہ باعزت	اللہ کے نزدیک

اَتْقٰىكُمْ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾	قَالَتِ الْاَعْرَابُ	اٰمَنَّا ؕ	قُلْ
تم لوگوں کا زیادہ پرہیزگار ہے	یقیناً اللہ	جاننے والا ہے باخبر ہے	کہا بدولوگوں نے	ہم ایمان لائے	آپ کہہ دیجئے

لَمْ تُؤْمِنُوْا	وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا	اَسْلَمْنَا	وَ لَمَّا یَدْخُلِ	الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ
تم لوگ ایمان نہیں لائے	اور لیکن (بلکہ) تم لوگ (یوں) کہو	ہم فرمانبردار ہوئے	اور ابھی تک داخل نہیں ہوا	ایمان تمہارے دلوں میں

وَ اِنْ تُطِیْعُوا	اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ	لَا یَلِتْكُمْ	مِّنْ اَعْمَالِكُمْ	شَیْـًٔا ؕ
اور اگر تم لوگ اطاعت کروگے	اللہ اور اس کے رسول کی	تو وہ کم نہیں کرے گا تمہارے لیے	تمہارے اعمال میں سے	کچھ بھی

اِنَّ اللّٰهَ	غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾	اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ
بیشک اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	کچھ نہیں سوائے اس کے وہ ایمان لانے والے جو	ایمان لائے	اللہ اور اس کے رسول پر

ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا	وَ جٰهَدُوْا	بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ	فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ
پھر وہ شبہہ میں پڑے ہی نہیں	اور انہوں نے جدوجہد کی	اپنے مالوں اور اپنی جانوں (وقت اور صلاحیت) سے	اللہ کی راہ میں

أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿١٥﴾	قُلْ	اَتُعَلِّمُوْنَ	اللّٰهَ	بِدِيْنِكُمْ ؕ
یہ لوگ ہی سچ کہنے والے ہیں	آپؐ کہیے	کیا تم لوگ علم دیتے ہو	اللہ کو	اپنے دین کے بارے میں

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ	وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
حالانکہ اللہ جانتا ہے	اس کو جو آسمانوں میں ہے	اور اس کو جو زمین میں ہے	اور اللہ ہر چیز کو

عَلِيْمٌ ﴿١٦﴾	يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ	اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ	قُلْ لَّا تَمُنُّوْا
جاننے والا ہے	یہ لوگ احسان رکھتے ہیں آپؐ پر	کہ وہ لوگ فرمانبردار ہوئے	آپؐ کہیے تم لوگ احسان مت رکھو

عَلَيَّ	اِسْلَامَكُمْ ۚ	بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ	عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ
مجھ پر	اپنے فرمانبردار ہونے کا	بلکہ اللہ احسان رکھتا ہے	تم پر کہ اس نے ہدایت دی تم کو

لِلْاِيْمَانِ	اِنْ كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾	اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
ایمان لانے کی	اگر تم لوگ ہو	سچ کہنے والے	یقیناً اللہ جانتا ہے

غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾ ع
آسمانوں اور زمین کے غیب کو	اور اللہ دیکھنے والا ہے	اس کو جو تم لوگ کرتے ہو

نوٹ: 1

پچھلی آیات میں اہل ایمان کو خطاب کر کے وہ ہدایات دی گئی تھیں جو مسلم معاشرے کو خرابیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ اب آیت۔13۔ میں پوری نوعِ انسانی کو خطاب کر کے اُس عظیم گمراہی کی اصلاح کی گئی ہے جو دنیا میں ہمیشہ عالمگیر فساد کا موجب بنی ہے یعنی رنگ، نسل، زبان، وطن اور قومیت کا تعصب۔ قدیم زمانے سے آج تک ہر دور میں انسان بالعموم انسانیت کو نظر انداز کر کے اپنے گرد کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچتا رہا ہے جن کے اندر پیدا ہونے والوں کو اس نے اپنا اور باہر پیدا ہونے والوں کو غیر قرار دیا ہے۔ یہ دائرے کسی عقلی اور اخلاقی بنیاد پر نہیں بلکہ اتفاقی پیدائش کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں۔ پھر ان بنیادوں پر اپنے اور غیر کی جو تمیز قائم کی گئی ہے وہ صرف اس حد تک محدود نہیں رہی کہ اپنوں کے ساتھ زیادہ محبت اور زیادہ تعاون ہو بلکہ اس تمیز نے نفرت و عداوت، تحقیر و تذلیل اور ظلم و ستم کی بدترین شکلیں اختیار کی ہیں۔ افریقہ اور امریکہ میں سیاہ فام لوگوں پر جو ظلم ڈھائے گئے ان کو آج بیسویں صدی میں بھی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یورپ کے لوگوں نے امریکہ میں گھس کر ریڈ انڈین لوگوں کی جس طرح نسل کشی کی اور ایشیا اور افریقہ کی کمزور قوموں کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کی تہہ میں یہی تصور کارفرما ہے کہ اپنے وطن اور اپنی قوم سے باہر پیدا ہونے والوں کی جان و مال اور آبرو ان پر مباح ہے اور انہیں حق پہنچتا ہے کہ ان کو لوٹیں، غلام بنائیں اور ضرورت پڑے تو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ مغربی اقوام کی قوم پرستی اور نسلی برتری کے تصور نے پچھلی جنگِ عظیم میں جو کرشمے دکھائے ہیں انہیں نگاہ میں رکھا جائے تو بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کتنی عظیم اور تباہ کن گمراہی ہے جس کی اصلاح کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس مختصر سی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین نہایت اہم اصولی حقیقتیں بیان فرمائی ہیں۔

ایک یہ کہ ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے تمہاری پوری نوعِ وجود میں آئی ہے۔ اور آج تمہاری جتنی نسلیں بھی دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ درحقیقت ایک ابتدائی نسل کی شاخیں ہیں جو ایک ماں اور ایک باپ سے شروع ہوئی تھی۔ اس سلسلہ تخلیق میں کسی جگہ بھی اُس تفرقے اور اونچ نیچ کے لیے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے جس کے زعمِ باطل میں تم مبتلا ہو۔ دوسرے یہ کہ اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تمہارا قبیلوں

اورقوموں میں تقسیم ہوجانا ایک فطری امر تھا۔نسل بڑھنے کے ساتھ ناگزیر تھا کہ بے شمار خاندان بنیں اور پھر خاندانوں سے قبائل اور اقوام وجود
6744
میں آئیں'اسی طرح زمین کے مختلف خطوں میں آباد ہونے کے بعد رنگ، خدوخال، زبانیں اور طرزِ بودوباش بھی لامحالہ مختلف ہوجانے تھے۔ مگر اس فطری فرق واختلاف کا تقاضہ یہ ہرگز نہ تھا کہ اس کی بنیاد پر اونچ نیچ اور برتر وکمتر کے امتیاز قائم کیے جائیں۔ خالق نے جس وجہ سے انسانی گروہوں کو اقوام اور قبائل کی شکل میں مرتب کیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ان کے درمیان باہمی تعارف اور تعاون کی فطری صورت یہی ہے۔اسی طریقے سے وہ زندگی کے معاملات میں ایک دوسرے کے مددگار بن سکتے ہیں۔ یہ محض شیطانی جہالت ہے جس نے اس باہمی تعارف وتعاون کے ذریعے کو باہمی تفاخر اور تنافر کا ذریعہ بنادیا اور پھر نوبت ظلم وعدوان تک پہنچادی۔ تیسرے یہ کہ انسان اور انسان کے درمیان فضیلت اور برتری کی کوئی بنیاد اگر ہے اور ہوسکتی ہے تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے۔ایک شخص برائیوں سے بچنے والا اور نیکی وپاکیزگی کی راہ پر چلنے والا ہے، وہ اپنی ذاتی خوبی کی بنا پر قابل قدر ہے خواہ وہ کسی نسل، کسی قوم یا کسی ملک سے تعلق رکھتا ہو۔اور جس کا حال اس کے برعکس ہو وہ بہرحال ایک کمتر درجے کا انسان ہے چاہے وہ کالا ہو یا گورا، مشرق میں پیدا ہوا ہو یا مغرب میں۔

یہی حقائق جو قرآن کی ایک مختصر سی آیت میں بیان کیے گئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے مختلف ارشادات میں زیادہ کھول کر بیان فرمایا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ لوگو! تمام انسان بس دو ہی حصوں میں تقسیم ہوئے ہیں۔ایک نیک اور پرہیزگار جو اللہ کی نگاہ میں عزت والا ہے۔ دوسرا فاجر اور شقی، جو اللہ کی نگاہ میں ذلیل ہے۔ ورنہ سارے انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک تقریر میں آپؐ نے فرمایا کہ لوگو! خبردار رہو! تم سب کا خدا ایک ہے۔ کسی عرب کو کسی عجمی پر اور عجمی کو کسی عرب پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ایک اور حدیث میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ لوگ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دیں ورنہ وہ اللہ کی نگاہ میں ایک حقیر کیڑے سے زیادہ حقیر ہوں گے۔

یہ تعلیمات صرف الفاظ کی حد تک ہی محدود نہیں رہی ہیں بلکہ اسلام نے ان کے مطابق اہل ایمان کی ایک عالمگیر برادری عملاً قائم کر کے دکھادی۔ اسلام کے مخالفین تک کو یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ انسانی مساوات کے اصول کو جس کامیابی کے ساتھ مسلم معاشرے میں عملی شکل دی گئی اس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی دین اور کسی نظام میں نہیں پائی جاتی، نہ کبھی پائی گئی ہے۔صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس نے روئے زمین کے تمام گوشوں میں پھیلی ہوئی بے شمار نسلوں اور قوموں کو ملا کر ایک امت بنادیا ہے۔(تفہیم القرآن۔ج۵،ص:۹۵ تا ۹۹ سے ماخوذ)

نوٹ:2

(آیت۔14) میں اسلام کے لغوی معنی مراد ہیں، اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں۔ اصطلاحی ایمان اور اصطلاحی اسلام اگرچہ معنی ومفہوم کے اعتبار سے الگ الگ ہیں، کہ ایمان اصطلاح شرع میں تصدیق قلبی کا نام ہے اور اسلام نام ہے اعمالِ ظاہرہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرنے کا،لیکن شریعت میں تصدیق قلبی اس وقت تک قابل اعتبار نہیں جب تک اس کا اثر اعمال وافعال تک نہ پہنچ جائے۔ اسی طرح اسلام اگرچہ اعمالِ ظاہرہ کا نام ہے لیکن شریعت میں اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ دل میں تصدیق نہ آجائے، ورنہ وہ نفاق ہے۔ اس لحاظ سے اسلام اور ایمان مبدأ (ابتدا ہونے کی جگہ) اور منتہی (انتہا تک پہنچنے کی جگہ) کے اعتبار سے تو الگ الگ ہیں' کہ ایمان باطن اور قلب سے شروع ہوکر ظاہراً اعمال تک پہنچتا ہے اور اسلام افعال ظاہرہ سے شروع ہوکر باطن کی تصدیق تک پہنچتا ہے۔مگر مصداق کے اعتبار سے یہ دونوں لازم وملزوم ہیں کہ ایمان اسلام کے بغیر اور اسلام ایمان کے بغیر معتبر نہیں۔شریعت میں یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص مسلم تو ہو مومن نہ ہو یا مومن ہو مسلم نہ ہو۔مگر یہ کلام اصطلاحی ایمان واسلام میں ہے۔لغوی معنی کے اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص مسلم ہو مومن نہ ہو جیسا کہ تمام منافقین کا یہی حال تھا۔(معارف القرآن)۔

نوٹ:3 آیت۔15۔ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہاں جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ مومنین کے عدم تذبذب کی شہادت کے طور پر آیا ہے۔ایک شخص اگر ایک نصب العین کے لیے جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا تو یہ ایک نا قابل انکار شہادت اس بات کی ہے کہ اس کو اپنے نصب العین کی صداقت پر پورا یقین ہے۔اور اگر وہ اس کی خاطر نہ مال قربان کرنے پر تیار ہے، نہ اپنی جان کو کسی خطرے میں ڈالنے کا حوصلہ رکھتا ہے، تو وہ اپنے نصب العین کے عشق میں کتنی ہی لاف زنی کرے لیکن اس کا عمل گواہی دے رہا ہے کہ وہ اس کے باب میں ابھی مبتلائے شک ہے۔(تدبر قرآن)۔

سورۃ قٓ (50)

آیت نمبر (1 تا 11)

ب س ق

(ن) بُسُوْقًا درخت کا لمبے تنے کا ہونا۔
بَاسِقٌ فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔لمبے تنے والا۔زیر مطالعہ آیت۔10

م ج د

(ك) مَجَادَةً بزرگی اور عظمت والا ہونا۔بڑی شان والا ہونا۔
مَجِيْدٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔بزرگ، شان والا۔زیر مطالعہ آیت۔1

ترکیب (آیات۔1 تا 3) قسم کے جواب میں عموماً ایک جوابِ قسم آتا ہے۔جیسے ہم کہتے ہیں خدا کی قسم یہ بات یوں ہے یا یہ بات یوں نہیں ہے۔یہاں وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ قسم ہے اور اس کا جوابِ قسم محذوف ہے۔آگے کی آیات کے پیش نظر حافظ احمد یار صاحب مرحوم نے یہاں لَتُبْعَثُنَّ (تم لوگ لازماً دوبارہ اٹھائے جاؤ گے) کو محذوف مانا ہے۔هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ میں هٰذَا کا اشارہ اسی محذوف جوابِ قسم کی طرف ہے۔ءَ اِذَا شرطیہ ہے۔مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا شرط ہے۔اس کا جوابِ شرط محذوف ہے۔جو لَنُبْعَثُنَّ ہے۔ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ میں ذٰلِكَ کا اشارہ اسی محذوف جوابِ شرط کی طرف ہے،(آیت۔7 تا 11)۔وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا میں مَدَدْنَا کی ضمیر مفعولی هَا آ گئی ہے اس لیے اَلْاَرْضَ کو اس کا مفعول مقدم ماننے کی گنجائش ختم ہوگئی۔اب اس کو کسی فعل محذوف کا مفعول مانا جائے گا جو لَمْ يَرَوْا ہو سکتا ہے۔اس طرح پورا جملہ یوں ہے۔اَوَلَمْ يَرَوْا الْاَرْضَ كَيْفَ مَدَدْنٰهَا۔ذِكْرٰى یہاں محلاً حالت نصب میں ہے۔تَبْصِرَةً اور ذِكْرٰى، دونوں کو حال بھی مانا جا سکتا ہے اور اَنْبَتْنَا کا مفعول لَهٗ بھی۔جَنّٰتٍ۔حَبَّ اور اَلنَّخْلَ، یہ سب فَاَنْبَتْنَا کے مفعول ہیں جبکہ رِزْقًا حال ہے۔اَحْيَيْنَا بِهٖ میں ہٖ کی ضمیر مَاءً مُّبٰرَكًا کے لیے ہے۔

ترجمہ

اَنْ جَآءَهُمْ	بَلْ عَجِبُوْٓا	وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ①	قٓ
کہ آیا ان کے پاس	بلکہ ان لوگوں نے حیرت کی	اس عظیم الشان قرآن کی قسم ہے (تم لوگ لازماً اٹھائے جاؤ گے)	۔

6744

مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ	فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ	هٰذَا	شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۚ ۲	ءَاِذَا مِتْنَا
ایک خبردار کرنے والا ان میں سے	پھر کہا انکار کرنے والوں نے	یہ (اٹھایا جانا)	عجیب سی چیز ہے	کیا جب ہم مردہ ہو جائیں گے

وَكُنَّا تُرَابًا ۚ	ذٰلِكَ	رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۳	قَدْ عَلِمْنَا
اور ہم ہو جائیں گے مٹی (تب اٹھائیں جائیں گے)	یہ (اٹھایا جانا)	بہت دور والا لوٹنا ہے	ہم جان چکے ہیں

مَا تَنْقُصُ	الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ	وَعِنْدَنَا	كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۴	بَلْ كَذَّبُوْا
اس کو جو گھٹاتی ہے	زمین ان (کی لاش) میں سے	اور ہمارے پاس	محفوظ کرنے والی کتاب ہے	بلکہ انہوں نے جھٹلایا

بِالْحَقِّ	لَمَّا جَآءَهُمْ	فَهُمْ	فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۵	اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا
حق کو	جب وہ آیا ان کے پاس	نتیجتاً وہ لوگ	ایک الجھے ہوئے معاملہ میں ہیں	تو کیا انہوں نے دیکھا ہی نہیں

اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ	كَيْفَ بَنَيْنٰهَا	وَزَيَّنّٰهَا	وَمَا لَهَا	مِنْ فُرُوْجٍ ۶
آسمان کی طرف اپنے اوپر	کیسا ہم نے بنایا اس کو	اور سجایا اس کو	اور نہیں ہیں اس میں	کوئی بھی دراڑیں

وَالْاَرْضَ	مَدَدْنٰهَا	وَاَلْقَيْنَا	فِيْهَا رَوَاسِيَ	وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا
اور (کیا دیکھتے نہیں) زمین کو	(کیسا) ہم نے پھیلایا اس کو	اور ہم نے ڈالے	اس میں کچھ پہاڑ	اور ہم نے اُگائے اس میں

مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۷	تَبْصِرَةً	وَّذِكْرٰى	لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۸
ہر شاداب جوڑے میں سے	سمجھانے (دکھا کر سمجھانے) کے لیے	اور یاد دہانی کے لیے	ہر متوجہ رہنے والے بندے کے لیے

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ	مَآءً مُّبٰرَكًا	فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ	جَنّٰتٍ	وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۹
اور ہم نے اتارا آسمان سے	کچھ برکت دیا ہوا پانی	پھر ہم نے اگائے ان سے	کچھ باغات	اور کاٹے ہوئے (اناج) کے دانے

وَالنَّخْلَ	بٰسِقٰتٍ	لَّهَا طَلْعٌ	نَّضِيْدٌ ۱۰	رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ
اور کھجوریں	لمبے تنے والیاں	ان کے لیے کونپل ہے	تہہ بہ تہہ	زرق ہوتے ہوئے بندوں کے لیے

وَاَحْيَيْنَا بِهٖ	بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ	كَذٰلِكَ	الْخُرُوْجُ ۱۱
اور ہم نے زندہ کیا اس (پانی) سے	ایک مردہ بستی کو	اسی طرح	(قبروں سے) نکلنا ہے

نوٹ: 1

کسی معتبر روایات سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ سورہ کس زمانے میں نازل ہوئی تھی۔ مگر مضامین پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا زمانۂ نزول مکہ معظّمہ کا دوسرا دور ہے۔ جو نبوت کے تیسرے سال سے شروع ہو کر پانچویں سال تک رہا جب کفار کی مخالفت اچھی خاصی شدت اختیار کر چکی تھی مگر ابھی ظلم و ستم کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ پوری سورہ کا موضوع آخرت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنی دعوت کا آغاز کیا تو لوگوں کو سب سے زیادہ تعجب اس بات پر ہوا کہ مرنے کے بعد انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور ان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ تو بالکل انہونی بات ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہمارا ذرہ ذرہ زمین میں منتشر ہو چکا ہو تو ان پراگندہ اجزاء کو ہزار ہا برس کے بعد پھر سے اکٹھا کر کے ہمارا یہی جسم از سر نو بنا دیا جائے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تقریر نازل ہوئی۔ (تفہیم القرآن)۔

مُردوں کے زندہ ہونے کا انکار کرنے والوں کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مرنے کے بعد انسانی جسم کے اجزاء مٹی ہو جاتے ہیں۔ پھر پانی اور ہوا اس کے ذرات کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں۔ قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے کے لیے ساری دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء کو معلوم رکھنا کہ یہ جز فلاں کا ہے یہ فلاں کا اور پھر ہر ایک کے اجزاء کو الگ الگ جمع کر دینا کس کے بس کی بات ہے۔ قرآن نے اس کا جواب دیا کہ اللہ جانتا ہے کہ مردے کے کس کس حصے کو زمین نے کھا لیا ہے۔ پھر وہ مٹی دنیا جہاں کے جس جس گوشے میں پہنچتی ہے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے۔ وہ جب چاہے گا سب کو ایک جگہ جمع کر دے گا۔ ذرا غور کرو کہ اس وقت ہر انسان کا جسم جن اجزاء سے مرکب چلتا پھرتا نظر آتا ہے، اس میں بھی تو ساری دنیا کے مختلف گوشوں کے اجزاء جمع ہیں۔ کوئی غذا کی صورت میں کوئی دوا کی صورت میں سارے عالم کے مختلف شہروں اور جنگلوں کے اجزاء ہی تو ہیں جن سے یہ موجودہ جسم مرکب ہوا ہے۔ اس کے لیے کیا دشوار ہے کہ ان اجزاء کو دنیا میں پھر منتشر کرنے کے بعد ایک جگہ پھر جمع کر دے۔ مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے منقول ہے۔ (معارف القرآن)۔

وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ کا مطلب یہ ہے کہ ذاتی علم کے سوا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ریکارڈ محفوظ رکھنے کے لیے ایک دفتر بھی قائم کر رکھا ہے جس میں یہ بھی درج ہے کہ کون شخص زمین کی کس پہنائی میں دفن ہے اور اس کے جسم کے اجزاء کہاں کہاں ہیں اور ہر شخص کے تمام اقوال و افعال بھی اس میں درج ہیں۔ یہ ریکارڈ محفوظ رکھنے کا معاملہ جاہلیت کے عربوں کے لیے تو اچنبھے کا ہو سکتا تھا لیکن اس زمانے میں سائنس نے جو انکشافات کیے ہیں ان کو جاننے کے بعد، اگر کوئی شخص قرآن کے اس دعوے میں شک کرے تو ایسے ہٹ دھرموں کو کوئی بڑی سے بڑی دلیل بھی قائل نہیں کر سکتی۔ یہ لوگ اس وقت مانیں گے جب ان کے ہاتھوں میں ان کے اعمال نامے پکڑا دیئے جائیں گے۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (12 تا 19)

ل ف ظ

(ض) لَفْظًا منہ سے پھینکنا۔ منہ سے بامعنی آواز نکالنا۔ زیر مطالعہ آیت۔18۔

ح ی د

(ض) حَيْدًا کسی چیز سے ہٹنا۔ پہلو تہی کرنا۔ زیر مطالعہ آیت۔19

ترکیب

(آیت۔17) يَتَلَقَّى مادہ ''ل ق ی'' سے باب تفعل کا مضارع ہے اور اس سے پہلے اِذْ آیا ہے۔ اس لیے قاعدے کے لحاظ سے اس کا ترجمہ ماضی میں ہونا چاہیے تھا۔ (دیکھیں آیت۔ ۲/۱۱، نوٹ۔۱) لیکن یہاں پر آفاقی صداقت کا بیان ہو رہا ہے۔ اس لیے اس کا ترجمہ حال میں کیا جائے گا۔ قَعِيْدٌ کی رفع بتا رہی ہے کہ یہ حال نہیں ہو سکتا بلکہ یہ خبر ہے۔ اس کا مبتدا هُمَا محذوف ہے۔ هُمَا کی ضمیر اَلْمُتَلَقِّيٰنِ کے لیے ہے اور چونکہ قَعِيْدٌ مذکر مؤنث، واحد جمع، سب کے لیے قَعِيْدٌ ہی آتا ہے۔ (دیکھیں آیت۔ ۲/۷/۱۲، کی لغت میں مادہ ''ق ع د'' اس لیے قَعِيْدَانِ لانے کی ضرورت نہیں۔

6744

ترجمہ

كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ	قَوۡمُ نُوۡحٍ	وَّ اَصۡحٰبُ الرَّسِّ	وَثَمُوۡدُ ﴿۱۲﴾	وَعَادٌ وَّ فِرۡعَوۡنُ
جھٹلایا ان لوگوں سے پہلے	نوحؑ کی قوم نے	اور کنویں والوں نے	اور ثمود نے	اور عاد نے اور فرعون نے

وَاِخۡوَانُ لُوۡطٍ ﴿۱۳﴾	وَّ اَصۡحٰبُ الۡاَيۡكَةِ	وَقَوۡمُ تُبَّعٍ ؕ	كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ
اور لوطؑ کے بھائیوں (قوم) نے	اور گھنے درخت والوں نے	اور تبع کی قوم نے	سب نے جھٹلایا رسولوں کو

فَحَقَّ	وَعِيۡدِ ﴿۱۴﴾	اَفَعَيِيۡنَا	بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ ؕ	بَلۡ هُمۡ فِىۡ لَبۡسٍ
تو سچ ہوئی	میری دھمکی	تو کیا ہم تھک گئے	پہلی بار پیدا کرنے سے	بلکہ یہ لوگ ایک شبہ میں ہیں

مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ﴿۱۵﴾	وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا	الۡاِنۡسَانَ	وَنَعۡلَمُ	مَا	تُوَسۡوِسُ
نئے (دوبارہ) پیدا کرنے سے	اور یقیناً ہم نے (ہی) پیدا کیا ہے	انسان کو	اور ہم جانتے ہیں	اس (تک) کو جو	وسوسہ ڈالتا ہے

بِهٖ	نَفۡسُهٗ ۖۚ	وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ	مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ ﴿۱۶﴾	اِذۡ يَتَلَقَّى
اس (کے ذہن) میں	اس کا نفس	اور ہم زیادہ قریب ہیں اس کے	بہ نسبت (اس کی) شہ رگ کے	جب لے لیتے ہیں

الۡمُتَلَقِّيٰنِ	عَنِ الۡيَمِيۡنِ	وَعَنِ الشِّمَالِ	قَعِيۡدٌ ﴿۱۷﴾	مَا يَلۡفِظُ
دو لینے والے	دائیں طرف سے	اور بائیں طرف سے	(وہ دونوں) ہمیشہ نگران ہیں	وہ (انسان) منہ سے نہیں نکالتا

مِنۡ قَوۡلٍ	اِلَّا لَدَيۡهِ	رَقِيۡبٌ عَتِيۡدٌ ﴿۱۸﴾	وَجَآءَتۡ سَكۡرَةُ الۡمَوۡتِ	بِالۡحَقِّ ؕ
کوئی بھی بات	مگر (یہ کہ) اس کے پاس	ایک چوکس نگران ہوتا ہے	اور آئی موت کی مدہوشی	حق کے ساتھ

ذٰلِكَ مَا	كُنۡتَ مِنۡهُ تَحِيۡدُ ﴿۱۹﴾
یہ وہ ہے	تو جس سے کنی کتراتا تھا

نوٹ:1

پورے قرآن مجید میں اصحاب الرّس کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے۔ ایک اس سے پہلے سورۂ فرقان کی آیت۔38 میں اور دوسرے اب زیر مطالعہ آیت۔12 میں۔ مگر دونوں جگہ انبیاء کو جھٹلانے والی قوموں کے سلسلے میں صرف ان کا نام ہی لیا گیا ہے۔ ان کے متعلق کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی اور نہ کوئی قابل اعتماد تفصیل کسی روایت میں ملتی ہے۔ قرآن مجید میں جس طرح ان کی طرف محض ایک اشارہ کر کے چھوڑ دیا گیا ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے زمانے میں اہل عرب بالعموم اس قوم اور اس کے قصے (کرتوتوں) سے واقف تھے لیکن بعد میں ان کے متعلق روایات تاریخ میں محفوظ نہ رہ سکیں۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2

(آیات۔12۔14) میں آخرت کے حق میں تاریخی استدلال ہے۔ ان آیات میں عرب اور اس کے گردوپیش کی قوموں کے انجام کو اس بات کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ آخرت کا جو عقیدہ تمام انبیاء پیش کرتے رہے ہیں، وہی حقیقت کے عین مطابق ہے، کیونکہ اس کا انکار جس قوم نے بھی کیا، وہ اپنی تمام تر مادی ترقی کے باوجود، شدید اخلاقی بگاڑ میں مبتلا ہو کر رہی اور آخر کار خدا کے عذاب نے اس کے وجود سے دنیا کو پاک کیا۔ کسی کام سے اگر پے درپے غلط نتائج برآمد ہوتے چلے جائیں تو یہ اس بات کی کھلی علامت ہے کہ وہ کام حقیقت سے متصادم ہو رہا ہے۔

(آیت۔15) میں آخرت کے حق میں عقلی استدلال ہے۔ جو شخص خدا کا منکر نہ ہو اور حماقت کی اس حد تک نہ پہنچ گیا ہو کہ اس عظیم کائنات اور اس کے اندر انسان کی پیدائش کو محض ایک اتفاقی حادثہ قرار دینے لگے، اس کے لیے یہ مانے بغیر چارہ نہیں ہے کہ خدا ہی نے اس پوری کائنات کو اور ہمیں پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ قیامت برپا کرنے کے بعد وہی خدا ایک دوسرا نظام عالم نہ بنا سکے گا اور موت کے بعد ہمیں پیدا نہ کر سکے گا، تو وہ محض ایک خلاف عقل بات کہتا ہے۔ اس بات کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے کہ اپنی ہی بنائی ہوئی چیز کو توڑ کر اسے پھر سے دوبارہ بنا دینے سے وہ عاجز ہو جائے گا۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:3

قیامت کے باب میں نادانوں کو جہاں یہ شبہہ لاحق ہوتا ہے کہ انسان مرکر زمین میں رل مل جانے کے بعد اس کے تمام اجزاءِ جسم کو فراہم کرنا اور اس کو از سرِ نو زندہ کر کے کھڑا کر دینا کس کے بس میں ہے، وہیں بہتوں کو یہ شبہ بھی لاحق ہوتا ہے کہ ایک ایک شخص کے خلوت وجلوت کے تمام اقوال وافعال کا ریکارڈ کون رکھ سکتا ہے۔ یہ دونوں شبہات بالکل توام (جڑواں) ہیں اس وجہ سے اوپر آیت۔4۔ میں ان دونوں کا جواب اجمالی طور پر دیا ہے پھر تفصیل کے ساتھ پہلے شبہے کی تردید فرمائی ہے۔ اور اب آیات۔16 تا18۔ میں دوسرے شبہے کا جواب دیا ہے۔ فرمایا کہ انسان کو ہم نے پیدا کیا ہے اور اس کے اقوال وافعال تو درکنار، اس کے دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو بھی ہم جانتے ہیں پھر فرمایا کہ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اگر وہ ہم کو دیکھ نہیں رہا ہے تو ہم اس سے دور ہیں۔ ہم ہر شخص کی رگ جاں سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں، یعنی ہمارا علم اور ہماری قدرت ہر شخص کا پہلو سے احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس کا ظاہر و باطن ہر لحہ ہماری نگاہوں میں ہے۔ پھر اپنے ذاتی علم کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اقوال وافعال کو ریکارڈ کرنے کے لیے یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر شخص پر دو۔ دو فرشتے مامور کر رکھے ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

اس مقام پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی عدالت میں کسی شخص کو محض اپنے ذاتی علم کی بنا پر سزا نہ دے گا بلکہ عدل کی تمام شرائط پوری کر کے اس کو سزا دے گا۔ اس لیے دنیا میں ہر شخص کے اقوال وافعال کا مکمل ریکارڈ تیار کرایا جا رہا ہے۔ (تفہیم القرآن)

آیت نمبر (20 تا29)

ترکیب

(آیت۔24) یہاں اَلْقِیَا تثنیہ کا صیغہ کیوں آیا ہے۔ گرامر والوں (نحویوں) کا کہنا ہے کہ یہ عربوں کے رواج کے مطابق ہے۔ اونٹ کے بڑے ریوڑ کو چرانے کے لیے عموماً تین آدمی جاتے تھے۔ ان میں سے کسی کو جب اپنے کسی ساتھی کو بلانا ہوتا تھا تو عموماً وہ تثنیہ کے صیغے میں پکارتا تھا کہ دونوں میں سے کوئی بھی سن لے۔ اس طرح ان کی یہ عادت ہوگئی کہ کسی ایک کو مخاطب کرنے کے لیے وہ تثنیہ کا صیغہ استعمال کر لیتے تھے۔ ایک کو دو کے صیغے میں پکارنا عربوں کا محاورہ ہے (حافظ احمد یار صاحب کے کیسٹ سے ماموخوذ ہے)۔ اس لحاظ سے یہاں تثنیہ اَلْقِیَا واحد کے مفہوم ہے یعنی تو ڈال دے۔

عام طور پر مفسرین نے اس کا مخاطب انہی دو فرشتوں کو قرار دیا ہے جن کا ذکر آیت۔21۔ میں سَآئِقٌ اور شَهِيْدٌ کہ الفاظ سے گزر چکا ہے۔ ان دونوں کو یہ حکم دینے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہی اس کو جہنم میں ڈالیں بھی۔ یہ محض حکم کا بیان ہے۔ اس کی تعمیل میں وہ مجرم کو جہنم میں جھونکنے والے فرشتوں کے حوالے کر دیں گے۔ البتہ اس سے متعلق زمخشریؒ نے عربی کے ایک مشہور ادیب کا قول نقل کیا ہے کہ فصیح عربی بولنے والے تثنیہ کا صیغہ بعض اوقات تکرارِ فعل کے مفہوم کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح اَلْقِیَا کا مفہوم اس آیت میں ان کے نزدیک ''ڈال دو۔ ڈال دو'' ہوگا۔ اس سے مقصود اظہار غضب اور تاکیدِ حکم ہے۔ (تدبر قرآن)۔ اردو میں تکرار فعل کا رواج زیادہ

ہے۔جیسے ہم لوگ کہتے ہیں اٹھو اٹھو۔چلو چلو۔کھاؤ کھاؤ وغیرہ ترجمہ میں ہم جمہور مفسرین کی رائے کو اختیار کریں گے۔دوسری آراء اس لیے لکھ دیتے ہیں کہ کسی طالبعلم کی نظر سے اگر کوئی مختلف ترجمہ گزرے تو اس کا ذہن پریشان نہ ہو۔عربی اسالیب کے مطابق تینوں طرح کے ترجمے درست مانے جائیں گے۔قَالَ قَرِيْنُهٗ یہاں دومرتبہ آیا ہے۔پہلے آیت۔23۔میں اس کے بعد آیت۔27۔میں۔اکثر مفسرین نے پہلے قَرِيْنٌ سے مراد یہ لیا ہے کہ یہ بات کہنے والا ان دو میں سے کوئی ایک فرشتہ ہوگا جو دنیا میں اس کے اعمال ریکارڈ کرتے تھے۔جبکہ دوسرے قَرِيْنٌ سے مراد وہ شیطان ہے جو دنیا میں اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ان آیات میں چونکہ قیامت کے واقعات کا ذکر ہے اس لیے ماضی کے صیغوں کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔(دیکھیں آیت۔2/27،نوٹ۔3)

ترجمہ

وَنُفِخَ	فِي الصُّوْرِ ؕ	ذٰلِكَ	يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾	وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ
اور پھونکا جائے گا	صور میں	(پھر کہا جائے گا) یہ ہے	وعدۂ (عذاب) کا دن	اور آئے گی ہر جان

مَّعَهَا	سَآئِقٌ	وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾	لَقَدْ كُنْتَ	فِيْ غَفْلَةٍ	مِّنْ هٰذَا
اس کے ساتھ	ایک ہانکنے والا	اور ایک گواہ ہوگا	یقیناً تو رہ چکا ہے	غفلت میں	اس (دن) سے

فَكَشَفْنَا	عَنْكَ غِطَآءَكَ	فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ	حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾	وَقَالَ قَرِيْنُهٗ
تو ہم نے کھول دیا	تجھ سے تیرا پردہ	نتیجتاً تیری بصارت آج کے دن	تیز (Sharp) ہے	اور کہے گا اس کا ہمنشین (فرشتہ)

هٰذَا مَا	لَدَيَّ	عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾	اَلْقِيَا	فِيْ جَهَنَّمَ	كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾
یہ وہ ہے جو	میرے پاس تھا	تیار (حاضر) ہے	تم دونوں ڈال دو	جہنم میں	ہر ناشکرے مخالف کو

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ	مُعْتَدٍ	مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾	الَّذِيْ جَعَلَ
(ہر ایک) بھلائی سے منع کرنے والے کو	(ہر) حد سے بڑھنے والے کو	(ہر) شبہ ڈالنے والے کو	جس نے بنایا

مَعَ اللّٰهِ	اِلٰهًا اٰخَرَ	فَاَلْقِيٰهُ	فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾	قَالَ قَرِيْنُهٗ
اللہ کے ساتھ	کوئی دوسرا الٰہ	تو تم دونوں ڈال دو اس کو	شدید عذاب میں	کہے گا اس کا ہمنشین (شیطان)

رَبَّنَا	مَآ اَطْغَيْتُهٗ	وَلٰكِنْ كَانَ	فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾
اے ہمارے رب	سرکشی پر میں نے نہیں اکسایا اس کو	اور لیکن وہ تھا	ایک دوری والی گمراہی میں

قَالَ	لَا تَخْتَصِمُوْا	لَدَيَّ	وَ	قَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ
وہ (اللہ) کہے گا	تم لوگ جھگڑا مت کرو	میرے پاس	درآں حالیکہ	میں آگے بھیج چکا تم لوگوں کی طرف

بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾	مَا يُبَدَّلُ	الْقَوْلُ	لَدَيَّ	وَمَآ اَنَا	بِظَلَّامٍ	لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ ع
وعدۂ (عذاب) کو	تبدیل نہیں کیا جاتا	بات کو	میرے پاس	اور میں نہیں ہوں	ذرا بھی ظلم کرنے والا	بندوں پر

نوٹ:1 (آیت۔22) کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی مثال خواب کی سی ہے اور آخرت کی مثال بیداری کی سی ہے۔جیسے خواب میں آدمی کی آنکھیں بند

ہوتی ہیں اور وہ حقائق کو نہیں دیکھ پاتا، اسی طرح انسان ان حقائق کو جن کا تعلق عالمِ آخرت سے ہے۔، ان کو وہ اس دنیا میں آنکھوں سے نہیں دیکھتا۔ مگر یہ ظاہری آنکھیں بند ہوتے ہی وہ خواب کا عالم ختم ہوجاتا ہے اور بیداری کا عالم شروع ہوتا ہے جس میں وہ سارے حقائق سامنے آجاتے ہیں جن کا علم انسان کو علم وحی کے ذریعہ دیا گیا ہے۔ اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کہ دنیا کی زندگی میں سب انسان سورہے ہیں، جب مریں گے اس وقت جاگیں گے (معارف القرآن)۔ علم وحی کی بنیاد پر آخرت کے اَن دیکھے حقائق کا یقین کرنا علم الیقین کا مرحلہ ہے اور یہی باعثِ نجات ہے۔ مرنے کے بعد عین الیقین کے مرحلے کا آغاز ہوتا ہے لیکن یہ مفید نہیں ہے۔ اسی لیے عالم نزع طاری ہوجانے کے بعد کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ پھر جب انسانوں کو جنت یا دوزخ میں بھیج دیا جائے گا تو حق الیقین کے مرحلے کا آغاز ہوگا جو دائمی ہے جبکہ علم الیقین اور عین الیقین کے مرحلے عبوری (Transitionary) ہیں۔

نوٹ:2

آیات 24 تا 26 میں اللہ تعالیٰ نے وہ صفات گن گن کر بتادی ہیں جو انسان کو جہنم کا مستحق بنانے والی ہیں۔ (۱) انکار حق اور خدا کی ناشکری (کَفَّار)۔ (۲) حق اور اہل حق سے عناد (عَنِیْد)۔ (۳) بھلائی کے راستے میں سَدِّ راہ بننا اور اپنے مال سے خدا اور بندوں کے حقوق ادا نہ کرنا (مَنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ)۔ (۴) اپنے معاملات میں حدود سے تجاوز کرنا اور لوگوں پر ظلم وزیادتی کرنا۔ (مُعْتَدٍ)۔ (۵) دین کی صداقتوں پر شک کرنا اور دوسروں کے دلوں میں شکوک ڈالنا (مُرِیْب)۔ (۶) اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو خدائی میں شریک ٹھہرانا۔ (تفہیم القرآن)۔

(آیت۔28) میں قَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْکُمْ بِالْوَعِیْدِ کا مطلب یہ ہے کہ میں نے متنبہ کردیا تھا کہ جو بہکائے گا وہ بھی سزا پائے گا اور جو بہکے گا اسے بھی خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ میری اس تنبیہ کے باوجود جب تم دونوں اپنے اپنے حصے کا جرم کرنے سے باز نہ آئے تو اب جھگڑا کرنے سے کیا حاصل ہے۔ بہکنے والے کو بہکنے کی اور بہکانے والے کو بہکانے کی سزا تو اب لازماً ملنی ہی ہے۔ (تفہیم القرآن)

آیت نمبر (30 تا 37)

ترجمہ

یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ	هَلِ امْتَلَاْتِ	وَتَقُوْلُ	هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ ﴿۳۰﴾	وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ
جس دن ہم کہیں گے جہنم سے	کیا تو بھر گئی	اور وہ کہے گی	کیا کچھ مزید ہے	اور نزدیک کی جائے گی جنت

لِلْمُتَّقِیْنَ	غَیْرَ بَعِیْدٍ ﴿۳۱﴾	هٰذَا مَا	تُوْعَدُوْنَ
متقی لوگوں کے لیے	دور ہوئے بغیر	یہ وہ ہے جو	تم لوگوں سے وعدہ کیا جاتا تھا

لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِیْظٍ ﴿۳۲﴾	مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ	بِالْغَیْبِ	وَجَآءَ
(یہ) ہر بار بار رجوع کرنے والے ہمیشہ حفاظت کرنے والے کے لیے ہے	جو ڈر ارحمٰن سے	بن دیکھے	اور وہ آیا

بِقَلْبٍ مُّنِیْبِ ﴿۳۳﴾	اِدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ	ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾	لَهُمْ مَّا
ایک متوجہ ہونے والے دل کے ساتھ	تم لوگ داخل ہوجاؤ اس میں سلامتی کے ساتھ	یہ ہمیشہ ایک حالت میں رہنے کا دن ہے	ان کے لیے ہوگا وہ جو

يَشَآءُوْنَ	فِيْهَا	وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿٣٥﴾	وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ	6744 مِّنْ قَرْنٍ
وہ لوگ چاہیں گے	اس (جنت) میں	اور ہمارے پاس مزید ہے	اور کتنی ہی ہم نے ہلاک کیں ان سے پہلے	قومیں

هُمْ	اَشَدُّ مِنْهُمْ	بَطْشًا	فَنَقَّبُوْا	فِي الْبِلَادِ ؕ	هَلْ
وہ لوگ	ان سے زیادہ سخت تھے	بلحاظ گرفت کرنے کے	تو انہوں نے بھاگ دوڑ کی	شہروں میں	(کہ) کیا

مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٦﴾	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	لَذِكْرٰى	لِمَنْ	كَانَ لَهٗ	قَلْبٌ
کوئی بھی بچنے کی جگہ ہے	بیشک اس میں	یقیناً بڑی نصیحت ہے	اس کے لیے	جس کے لیے ہو	ایک دل (تفقہہ والا)

اَوْ اَلْقَى	السَّمْعَ	وَهُوَ	شَهِيْدٌ ﴿٣٧﴾
یا وہ ڈالے (دھرے)	کان (بات پر)	اس حال میں کہ وہ	معائنہ کرنے والا ہو

نوٹ: 1

اوّاب کے معنی رجوع ہونے والے کے ہیں، مراد وہ شخص ہے جو معاصی (گناہوں) سے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ حضرت عبید بن عمیرؓ نے فرمایا کہ اوّاب وہ شخص ہے جو اپنی ہر مجلس اور ہر نشست میں اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی مجلس سے اٹھتے وقت یہ دعا پڑھے تو اللہ اس کے وہ سب گناہ معاف فرمادیں گے جو اس مجلس میں سرزد ہوئے۔ دعا یہ ہے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ اور حَفِيْظ کے معنی حضرت ابن عباسؓ سے هُوَ الْحَافِظُ لِاَمْرِ اللّٰهِ کے منقول ہیں یعنی جو شخص اللہ کے احکام کو یاد رکھے (معارف القرآن)۔ منیب کے معنی ایک طرف رخ کرنے اور بار بار اسی طرف پلٹنے کے ہیں۔ جیسے قطب نما کی سوئی ہمیشہ قطب ہی کی طرف رخ کیے رہتی ہے۔ خواہ آپ اسے کتنا ہی ہلائیں جلائیں وہ گھوم پھر کر پھر قطب کی سمت میں آجاتی ہے۔ (تفہیم القرآن)۔ اس طرح قلب منیب سے مراد وہ دل ہے جو رنج و راحت اور امید و بیم، ہر حال میں اپنے رب ہی کی طرف متوجہ رہا۔ کسی حال میں بھی اپنے رب سے منہ موڑ کر کسی اور سے اس نے لَو نہیں لگائی۔ (تدبر قرآن)۔

آیات۔ 31۔ 33 میں اللہ تعالیٰ نے وہ صفات بتادی ہیں جن کی بنا پر کوئی شخص جنت کا مستحق ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ (۱) تقویٰ (۲) رجوع الی اللہ۔ (۳) اللہ سے اپنے تعلق کی حفاظت (۴) اللہ کو دیکھے بغیر اور اس کی رحیمی پر یقین رکھنے کے باوجود اس سے ڈرنا۔ اور (۵) قلب منیب لیے ہوئے اللہ کے ہاں پہنچنا۔

نوٹ: 2

(آیت۔ 36) میں قریش کو وارننگ ہے کہ وہ اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ ان کو بڑی قوت و شوکت حاصل ہے اور وہ اپنی جگہ سے ہلائے نہیں جا سکتے۔ ان سے پہلے کتنی ہی قومیں گزری ہیں جو قوت و عظمت میں ان سے بڑھ چڑھ کر تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ان میں سے اگر کچھ ہلاک ہونے سے بچ بھی رہے تو وہ مختلف ملکوں میں کسی جائے پناہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ جب کسی قوم پر تباہی آتی ہے تو اس کا حال یہی ہوتا ہے۔ قوم کے کارفرما عناصر، جو سارے فساد کے ذمہ دار ہوتے ہیں، وہ تو تباہ ہو جاتے ہیں۔ عوام میں سے جو بچ رہتے ہیں وہ قومی جمعیت کے پارہ پارہ ہو جانے کے بعد پراگندہ ہو کر اس طرف کا رخ کر لیتا ہے۔ جہاں اس کو پناہ ملنے کی توقع ہوتی ہے۔ قرآن میں جن قوموں کے حالات بیان ہوئے ہیں ان میں سے بعض تو پوری کی پوری تباہ ہو گئیں۔ جیسے قومِ نوحؑ، عاد اور ثمود وغیرہ۔ جبکہ بعض قوموں کا حال یہ ہوا کہ ان کے کارفرما عناصر تو تباہ ہو گئے اور ان کے عوام ادھر ادھر پراگندہ ہو گئے۔

فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کی صورت یہی تھی۔ اس سے ملتے جلتے حالات ملکِ سبا میں پیش آئے۔ بے شمار افراد تو سیلاب کی نذر ہو گئے۔ جو بچ رہے وہ مجبور ہوئے کہ پناہ کی تلاش میں دوسرے علاقوں کا رخ کریں۔ یہود پر جو تباہیاں آئیں ان کی نوعیت بھی یہی تھی۔ جو قتل سے بچے وہ دنیا کے کونے کونے میں آوارہ ہو کر پھرے۔ خود ہماری تاریخ میں بھی اس کی نہایت عبرت انگیز مثالیں موجود ہیں۔ بغداد پر، قرطبہ پر، دلی پر جو تباہیاں آئیں ان کے احوال تاریخ میں مذکور ہیں۔ ان کو پڑھیے تو معلوم ہو گا کہ اس آیت میں صرف قریش ہی کو تنبیہ نہیں ہے بلکہ خود ہمارے لیے بھی اس میں بڑا درس ہے۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (38 تا 45)

ترکیب

(آیت۔40) اَدْبَارَ یہاں ظرف زمان کے طور پر آیا ہے۔ اس لیے حالت نصب میں ہیں۔ سَجَدَ۔ یَسْجُدُ کا مصدر بھی سُجُوْدٌ آتا ہے، جبکہ سجدہ کی جمع بھی سُجُوْدٌ آتی ہے۔ اس لیے دونوں طرح کے ترجمے درست مانے جائیں گے۔ (آیت۔41) یُنَادِ دراصل باب مفاعلہ کا مضارع یُنَادِیْ ہے۔ یہاں اس کی یا گری ہوئی ہے۔ اس کا اسم الفاعل مُنَادٍ یہاں اس کے فاعل کے طور پر آیا ہے۔ اس پر لام تعریف داخل ہوا تو تنوین ختم ہو گئیں۔ (آیت۔44) تَشَقَّقُ دراصل باب تفعل کے مضارع میں واحد مؤنث غائب کا صیغہ تَتَشَقَّقُ ہے جس کی ایک تا گری ہوئی ہے اور اَلْاَرْضُ اس کا فاعل ہے۔

ترجمہ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا	السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	وَمَا بَيْنَهُمَا	فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ
اور یقیناً ہم نے پیدا کیا ہے	آسمانوں کو اور زمین کو	اور اس کو جو ان دونوں کے درمیان ہے	چھ دنوں میں

وَّمَا مَسَّنَا	مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿٣٨﴾	فَاصْبِرْ عَلٰى مَا	يَقُوْلُوْنَ	وَسَبِّحْ
اور ہم کو نہیں چھوا	ذرا سی بھی تھکان نے	تو آپ صبر کریں اس پر جو	یہ لوگ کہتے ہیں	اور آپ تسبیح کریں

بِحَمْدِ رَبِّكَ	قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ	وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾	وَمِنَ الَّيْلِ
اپنے رب کی حمد کے ساتھ	سورج کے طلوع ہونے کے پہلے	اور (اس کے) غروب کے پہلے	اور رات میں سے

فَسَبِّحْهُ	وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾	وَاسْتَمِعْ	يَوْمَ	يُنَادِ الْمُنَادِ
پھر آپ تسبیح کریں اس کی	اور سجدوں کے پیچھے (بعد بھی)	اور دھیان سے سنو	(اس دن کی بات) جس دن	پکارے گا پکارنے والا

مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾	يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ	الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ	ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾
ایک قریب والی جگہ سے	جس دن وہ لوگ سنیں گے	چنگھاڑ کو حق کے ساتھ	یہ نکلنے کا دن ہو گا

اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ	وَنُمِيْتُ	وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾	يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ
بیشک ہم ہی زندگی دیتے ہیں	اور ہم (ہی) موت دیتے ہیں	اور ہماری طرف ہی لوٹنا ہے	جس دن پھٹ پڑے گی زمین

عَنْهُمْ	سِرَاعًا ؕ	ذٰلِكَ حَشْرٌ	عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾
لوگوں (کے اوپر) سے	تو لوگ نکلیں گے) باہم سبقت کرتے ہوئے	یہ ایک ایسا اکٹھا کرنا ہے جو	ہم پر آسان ہے

نَحْنُ اَعْلَمُ	بِمَا	يَقُوْلُوْنَ	وَمَآ اَنْتَ
ہم سب سے زیادہ جاننے والے ہیں	اس (بکواس) کو جو	یہ لوگ (قیامت کے بارے میں) کہتے ہیں	اور آپ نہیں ہیں (بات منوانے کے لیے)

عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ	فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ	مَنْ يَّخَافُ	وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾
ان پر جبر کرنے والے	تو آپؐ یاددہانی کراتے رہیں قرآن کے ذریعہ	اس کو جو ڈرتا ہے	میری دھمکی سے

نوٹ:1

(آیت۔38) میں یہود و نصاریٰ پر ایک لطیف طنز ہے جن کی بائبل میں یہ افسانہ گھڑا گیا ہے کہ خدا نے چھ دنوں میں زمین و آسمان کو بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ اگرچہ اب مسیحی پادری اس بات سے شرمانے لگے ہیں اور انہوں نے کتاب مقدس کے اردو ترجمہ میں ''آرام کیا'' کو ''فارغ ہوا'' سے بدل دیا ہے مگر کنگ جیمس کی مستند انگریزی بائبل میں And he rested on the seventh day کے الفاظ صاف موجود ہیں اور یہی الفاظ اس ترجمے میں بھی پائے جاتے ہیں جو ۱۹۵۴ء میں یہودیوں نے فلڈلفیا سے شائع کیا۔ عربی ترجمہ میں بھی فَاَسْتَرَاحَ (پھر اس نے استراحت کی) کے الفاظ ہیں۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2

آیات 39۔40 میں وہ ذریعہ بتایا گیا ہے جس سے آدمی کو یہ طاقت حاصل ہوتی ہے کہ دعوتِ حق کی راہ میں اسے خواہ کیسے ہی دل شکن اور روح فرسا حالات سے سابقہ پیش آئے، اس کی کوشش کا کوئی نتیجہ نکلتا بھی نظر نہ آئے، پھر بھی وہ پورے عزم کے ساتھ زندگی بھر کلمۂ حق بلند کرنے اور دنیا کو خیر کی طرف بلانے کی جدوجہد جاری رکھے۔ رب کی حمد اور اس کی تسبیح سے مراد یہاں نماز ہے۔ جس مقام پر بھی قرآن میں حمد و تسبیح کو خاص اوقات کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، وہاں اس سے مراد نماز ہی ہوتی ہے۔ طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی نماز ہے۔ غروب آفتاب سے پہلے دو نمازیں ظہر اور عصر ہیں۔ ''رات میں سے'' یعنی رات کے کچھ اوقات میں مغرب اور عشا ہیں اور تہجد بھی رات کی تسبیح میں شامل ہے۔ رہی وہ تسبیح جو مسجدوں سے فارغ ہونے کے بعد کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، تو اس سے مراد ذکر بعد الصلوٰۃ بھی ہوسکتا ہے اور فرض کے بعد نوافل ادا کرنا بھی۔

جو اصحاب قرآن مجید کی اس ہدایت پر عمل کرنا چاہیں وہ مشکوٰۃ شریف میں باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں سے کوئی ذکر یاد کرلیں اور پھر اس کا التزام کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے ذکر سے بہتر اور کون سا ذکر ہوسکتا ہے۔ مگر یہ خیال رکھیں کہ ذکر سے مقصود چند مخصوص الفاظ کو زبان سے گزار دینا نہیں ہے بلکہ اصل مقصود اُن معانی کو ذہن میں تازہ اور مستحکم کرنا ہے جو ان الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس لیے جو بھی ذکر کیا جائے اس کے معنی اچھی طرح یاد کرلینے چاہئیں اور پھر معنی کے استحضار کے ساتھ ذکر کرنا چاہیے۔ (تفہیم القرآن)

نوٹ:3

کوئی شخص جب کوئی بات کرتا ہے یا کسی مجلس میں کچھ لوگ آپس میں جو بات کرتے ہیں، تو جو شخص وہاں موجود نہیں ہوتا، اسے جب اس کی اطلاع دی جاتی ہے تو اسے بات کا خلاصہ بتا دیا جاتا ہے۔ اس بنیاد پر وہ کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ فلاں نے کیا کہا ہے یا فلاں مجلس میں کیا بات ہوئی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں بات کے ایک ایک لفظ کے ساتھ آواز کا زیر و بم، چہرے کا اتار چڑھاؤ، اعضاء و جوارح کی جنبشیں (Body Language) دل میں چھپے ہوئے جذبات، نیت وغیرہ یہ سب چیزیں اس کے علم میں ہوتی ہیں۔ اس لیے آیت۔45 میں فرمایا نَحْنُ اَعْلَمُ (ہم سب سے زیادہ جاننے والے ہیں)۔

6744

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الذریات (51)

آیت نمبر (1 تا 23)

ج	ب	ك

(ن) حَبْكًا مضبوط کرنا۔ جولاہے کا کپڑے کو عمدہ بننا۔

حَبِیْكٌ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ اسم المفعول کے معنی میں۔ مضبوط کیا ہوا۔ بنا ہوا۔

حَبِیْکَۃٌ ج حُبُكٌ۔ حَبِیْكٌ کا مؤنث ہے۔ ریت کے ٹیلے کا راستہ۔ ستاروں کے درمیان کا راستہ۔ زیر مطالعہ آیت۔ 7۔

س	ھ	و

(ن) سَھْوًا دل کا دوسری طرف پھر جانا۔ غافل ہونا۔ بھولنا۔ چوک جانا۔

سَاہٍ فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بھولنے والا۔ غافل۔ زیر مطالعہ آیت۔ 11۔

ھ	ج	ع

(ف) ھُجُوْعًا رات کو سونا۔ زیر مطالعہ آیت۔ 17

ترکیب (آیات۔ 1 تا 4)۔ اَلْحٰمِلٰتِ۔ اَلْجٰرِیٰتِ اور اَلْمُقَسِّمٰتِ، یہ سب واو قسمیہ پر عطف ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہیں۔ اَلْجٰرِیٰتِ اسم الفاعل جَارٍ کی مؤنث جَارِیَۃٌ کی جمع ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں جاری ہونے والیاں۔ پھر یہ کشتی کے لیے بھی آتا ہے۔ یہاں پر اس کا ترجمہ اگر "کشتیاں" کیا جائے تو یُسْرًا بے معنی ہو جائے گا۔ اس لیے یہاں اس کا لغوی ترجمہ کرنا بہتر ہے۔ (آیت۔ 9) عَنْہُ میں ہُ کی ضمیر قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ کے لیے نہیں ہے۔ اگر اس کے لیے ہوتی تو یُؤْفَكُ بِہٖ آتا۔ ضمیر کے ساتھ عَنْ کا صلہ بتا رہا ہے کہ یہ ضمیر اس کے لیے ہے جس کے بارے میں قول یعنی رائے مختلف ہے، اور وہ اَلدِّیْن ہے۔ (آیت۔ 10) قُتِلَ یہاں خبریہ نہیں بلکہ دعائیہ ہے۔ یہ ہم بتا چکے ہیں کہ دعا کی بعض صورتوں میں عربی میں فعل امر کے بجائے ماضی یا مضارع استعمال ہوتا ہے۔ (دیکھیں آیت۔ 2/البقرۃ: 72، نوٹ: 2)۔ (آیت۔ 17) اس آیت کی مختلف ترکیبیں کی گئی ہیں۔ سادہ اور عام فہم ترکیب یہ ہے کہ کَانُوْا یَھْجَعُوْنَ کو ماضی استمراری مانا جائے۔ ایسی صورت میں مَا زائدہ ہوگا اور اس کے کوئی معنی نہیں ہوں گے۔

ترجمہ

وَالذّٰرِیٰتِ	ذَرْوًا ①	فَالْحٰمِلٰتِ	وِقْرًا ②
قسم ہے دھواں اڑانے والیوں (ہواؤں) کی	جیسا اڑانے کا حق ہے	پھر اٹھانے والیوں کی	بوجھ (بادل) کو

فَالْجٰرِیٰتِ	یُسْرًا ③	فَالْمُقَسِّمٰتِ	اَمْرًا ④	اِنَّمَا	تُوْعَدُوْنَ
پھر چلنے والیوں کی	نرمی ہوتے ہوئے	پھر تقسیم کرنے والیوں کی	ایک حکم کو	کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	تم لوگوں سے وعدہ کیا جاتا ہے

لَصَادِقٌ ۝۵	وَّ اِنَّ الدِّيْنَ	لَوَاقِعٌ ۝۶	وَالسَّمَآءِ	ذَاتِ الْحُبُكِ ۝۷
(وہ) یقیناً سچ ہونے والا ہے	اور بیشک بدلہ	یقیناً واقع ہونے والا ہے	قسم ہے آسمان کی	جو راستوں والا ہے

6744

اِنَّكُمْ	لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝۸	يُّؤْفَكُ	عَنْهُ	مَنْ	اُفِكَ ۝۹
یقیناً تم لوگ	لازماً ایک اختلاف کرنے والی بات میں ہو	پھیرا جاتا ہے	اس (دی) سے	اس کو جو	ضعیف العقل ہوا

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝۱۰	الَّذِيْنَ هُمْ	فِيْ غَمْرَةٍ	سَاهُوْنَ ۝۱۱
مارے جائیں جھوٹ اڑانے والے	وہ لوگ کہ وہی	مدہوشی میں	غافل ہونے والے ہیں

يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ	يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۲	يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ	يُفْتَنُوْنَ ۝۱۳	ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ
پوچھتے ہیں کب ہے	بدلے کا دن	جس دن وہ لوگ آگ پر	عذاب دیئے جائیں گے	تم لوگ چکھو اپنے عذاب کو

هٰذَا الَّذِيْ	كُنْتُمْ بِهٖ	تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۱۴	اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ	فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝۱۵
یہ وہ ہے	تم لوگ جس کی	جلدی مچاتے تھے	یقیناً پرہیز گار لوگ	باغوں اور چشموں میں ہوں گے

اٰخِذِيْنَ	مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ	اِنَّهُمْ كَانُوْا	قَبْلَ ذٰلِكَ	مُحْسِنِيْنَ ۝۱۶
لینے والے ہوتے ہوئے	اس کو جو دے گا ان کو ان کا رب	بیشک یہ لوگ تھے	اس سے پہلے	حسن دینے والے (نیکی کو)

كَانُوْا	قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا	يَهْجَعُوْنَ ۝۱۷	وَبِالْاَسْحَارِ	هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۱۸
یہ لوگ	رات میں سے تھوڑا سا	سویا کرتے تھے	اور صبح کے تڑکوں میں	وہ لوگ مغفرت مانگتے تھے

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ	حَقٌّ	لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝۱۹	وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ
اور ان کے مالوں میں	حق ہوتا تھا	مانگنے والوں کے لیے اور محروم لوگوں کے لیے	اور زمین میں نشانیاں ہیں

لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝۲۰	وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ	اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝۲۱	وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ	وَمَا
یقین کرنے والوں کے لیے	اور تمہاری جانوں میں بھی	تو کیا تم لوگوں کو سجھائی نہیں دیتا	اور آسمانوں میں تمہارا رزق ہے	اور وہ (بھی) ہے جس کا

تُوْعَدُوْنَ ۝۲۲	فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ	اِنَّهٗ لَحَقٌّ	مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ	تَنْطِقُوْنَ ۝۲۳ ع
تم سے وعدہ کیا جاتا ہے	تو زمین و آسمان کے رب کی قسم ہے	کہ یہ (دین) لازماً حق ہے	اس کے مانند جیسے کہ تم لوگ	بولتے ہو

نوٹ: 1

پچھلی سورۂ (ق) میں ان لوگوں کو جواب دیا گیا ہے جو قرآن کے اس دعوے کو بعید از امکان قرار دیتے تھے کہ لوگ مرنے کے بعد از سر نو زندہ کر کے اٹھائیں جائیں گے۔ اس سورہ میں ایک قدم اور آگے بڑھ کر قرآن کے عذاب کے وعدے (دھمکی) کو بھی ثابت کیا گیا ہے اور جزاء وسزا (بدلہ) کو بھی۔ استدلال کی بنیاد آفاق وانفس کے دلائل پر ہے۔ (تدبر قرآن)

یہاں جن مظاہرِ کائنات کی قسم کھائی ہے وہ یہ ہے کہ غبار اڑانے والی یعنی تیز وتند ہوائیں جب چلتی ہیں تو بادلوں کو لے کر چلتی ہیں۔ پھر روئے زمین کے مختلف حصوں میں پھیل کر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق، جہاں جتنا حکم ہوتا ہے، پانی تقسیم کرتی ہیں۔ قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ عذاب کا وعدہ اور جزاء وسزا یقینی ہے۔ اس قسم کا مطلب یہ ہے کہ جس نظم اور باقاعدگی کے ساتھ بارش کا یہ نظام تمہاری آنکھوں کے سامنے چل رہا ہے وہ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ یہ دنیا کوئی بے مقصد اور بے معنی گھروندا نہیں ہے بلکہ یہ ایک حکیمانہ نظام ہے جس میں ہر

کام کسی مقصد اور کسی مصلحت کے لیے ہو رہا ہے۔ اس نظام میں یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ انسان جیسی باشعور اور تمیز و تصرف کے اختیار والی مخلوق کو ایسے ہی چھوڑ دیا جائے اور اس سے کبھی کوئی باز پرس نہ ہو۔ 6744

جزاء و سزا کے تصور میں جس طرح بعث بعد الموت کا تصور از خود شامل ہے، اسی طرح جزاء و سزا کی دلیل کے طور پر جس نظام کائنات کو بطور گواہ پیش کیا گیا ہے اسی طرح بعث بعد الموت کی دلیل بھی اس نظام میں از خود شامل ہے۔

سورج کی شعاعیں روئے زمین کے ان تمام ذخائر آب پر اثر انداز ہوتی ہیں جن تک ان کی حرارت پہنچتی ہے۔ اس عمل سے پانی کے بے حد و حساب قطرے اڑ جاتے ہیں اور اپنے مخزن میں باقی نہیں رہتے۔ مگر وہ فنا نہیں ہو جاتے بلکہ بھاپ بن کر ایک ایک قطرہ ہوا میں محفوظ رہتا ہے۔ پھر جب خدا کا حکم ہوتا ہے تو یہی ہوا اُن قطروں کی بھاپ کو سمیٹ لاتی ہے، اُس کو کثیف بادلوں کی شکل میں جمع کرتی ہے، ان بادلوں کو لے کر روئے زمین کے مختلف حصوں میں پھیل جاتی ہے اور خدا کی طرف سے جو وقت مقرر ہے ٹھیک اسی وقت ایک ایک قطرے کو اُسی شکل میں جس میں وہ پہلے تھا زمین پر واپس پہنچا دیتی ہے۔ یہ منظر جو آئے دن انسان کی آنکھوں کے سامنے گزر رہا ہے اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ مرے ہوئے انسان کے اجزاء جسم اللہ تعالیٰ کے ایک اشارے پر جمع ہو سکتے ہیں اور انسان کو اسی شکل میں پھر اٹھا کر کھڑا کیا جا سکتا ہے جس میں وہ پہلے تھا۔ (تفہیم القرآن سے ماخوذ)

نوٹ:2

یہ ہم پڑھ چکے ہیں کہ مفعول کے ساتھ مَا کا استعمال اسے غیر معین کرتا ہے۔ جیسے مَثَلًا مَا کا مطلب ہے کوئی سی بھی مثال۔ (دیکھیں آیت۔2/26، نوٹ۔1) اسی طرح تمیز کے ساتھ بھی مَا کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قَلِيْلًا مَّا کا مطلب ہے بہت ہی تھوڑا۔ گزشتہ متعدد آیات میں ہم نے اسی لحاظ سے ترجمہ کیا ہے، جیسے الاعراف کی آیات۔3۔ اور 10۔ وغیرہ۔ زیر مطالعہ آیت۔17۔ میں گنجائش ہے کہ قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا میں مَا کو قَلِيْلًا سے متعلق مانا جائے۔ ایسی صورت میں آیت کا مطلب ہو جاتا ہے کہ رات میں بہت ہی تھوڑا سا سوتے تھے لیکن یہ مفہوم سورۃ المزمل سے مطابقت نہیں رکھتا۔ وہاں ہدایت ہے کہ رات میں قیام کرو سوائے تھوڑی سی (قَلِيْلًا) رات کے۔ اس کے آگے قَلِيْلًا کی وضاحت ہے کہ آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ۔ اردو محاورہ میں اس کو یوں سمجھیں کہ لگ بھگ آدھی رات قیام کے لیے اور لگ بھگ آدھی رات سونے کے لیے پسندیدہ ہے۔ یہ مفہوم قَلِيْلًا مَّا سے نہیں بلکہ قَلِيْلًا سے ادا ہوتا ہے۔ اس لیے اس آیت میں ہم نے مَا کا زائدہ ماننے کو ترجیح دی ہے۔

نوٹ:3

آیت۔18۔ میں ان کی شب بیداری اور عبادت کی غایت بیان ہوئی ہے کہ ان کا آخری کام یہ ہوتا ہے کہ سحر کے وقت اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس بات کی توقع نہیں رکھتے کہ اس شب بیداری کے صلہ میں ان کو حضور و شہود کا کوئی بڑا مقام حاصل ہو گا۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں عبادت اور ریاضت کا مقصود دوسرے مذاہب سے بالکل مختلف ہے۔ دوسرے مذاہب میں عبادت و ریاضت کا اصل مقصود کشف، مشاہدہ، تجلی ذات، ذات خداوندی میں انضمام اور اس قبیل کی دوسری چیزیں ہیں۔ جوگی، سنیاسی اور راہب جو ریاضتیں کرتے ہیں، ان سے ان کے پیش نظر یہی چیزیں ہوتی ہیں۔ لیکن اسلام میں ریاضت و عبادت کا اصل مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی کی طلب ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز اگر عبادت کے مقصد کی حیثیت حاصل کر لے تو اسلام میں اس عبادت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

آیت نمبر (24 تا 37)

6744

ص ك ك

(ن) صَكًّا اپنا سر پیٹنا۔ کسی کو تھپڑ مارنا۔ زیر مطالعہ آیت۔29۔

ترکیب

''ض ی ف'' کی لغت میں ہم بتا چکے ہیں کہ ضَیْفٌ کا لفظ مذکر، مؤنث، واحد، جمع سب کے لیے آتا ہے اور اس کی جمع ضیوف بھی آتی ہے۔ یہاں ضیف جمع کے مفہوم میں آیا ہے، اسی لیے اس کی صفت اَلْمُکْرَمِیْنَ جمع میں آئی ہے آگے افعال دَخَلُوْا اور قَالُوْا جمع کے صیغے میں آئے ہیں۔ قَالُوْا کے آگے سَلٰمًا کی نصب بتا رہی ہے کہ یہ قَالُوْا کا مفعول ہے یعنی بات Indirect Tense میں ہے جب کہ آگے، قَالَ کے بعد سَلٰمٌ حالت رفع میں ہے۔ یہ بات Direct Tense میں ہے۔ (دیکھیں آیت نمبر 2/58، ترکیب)

ترجمہ

هَلْ اَتٰىكَ	حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ (24)	اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ
کیا پہنچی آپؐ کے پاس	ابراہیمؑ کے عزت دیئے ہوئے مہمانوں کی بات	جب وہ داخل ہوئے انؑ پر

فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ	قَالَ سَلٰمٌ ۚ	قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۚ (25)	فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ
تو انہوں نے کہا سلامتی ہو	انہوں (ابراہیمؑ) نے کہا سلامتی ہے	(تم) اجنبی لوگ ہو	پھر وہ آئے اپنے گھر والوں کی طرف

فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۙ (26)	فَقَرَّبَهٗٓ	اِلَيْهِمْ	قَالَ	اَلَا تَاْكُلُوْنَ (27)
تو وہ لائے ایک فربہ بچھڑا (تلا ہوا)	پھر انہوں نے قریب کیا اس کو	ان لوگوں کی طرف	انہوںؑ نے کہا	کیا تم لوگ کھاتے نہیں ہو

فَاَوْجَسَ	مِنْهُمْ	خِيْفَةً ؕ	قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ	وَبَشَّرُوْهُ
تو انہوں نے محسوس کیا	ان لوگوں سے	ایک خوف	ان لوگوں نے کہا آپ مت ڈریں	اور ان لوگوں نے بشارت دی انؑ کو

بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ (28)	فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ	فِيْ صَرَّةٍ	فَصَكَّتْ وَجْهَهَا
ایک علم والے لڑکے کی	تو سامنے آئیں ان کی بیوی	اونچی آواز میں (بولتی ہوئی)	پھر انہوں نے پیٹا اپنے چہرے کو

وَقَالَتْ	عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ (29)	قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ	قَالَ رَبُّكِ ؕ
اور کہا	(کیا جنے گی) بڑھیا بانجھ	ان لوگوں نے کہا اسی طرح	کہا آپ کے رب نے

اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ (30)	قَالَ	فَمَا خَطْبُكُمْ	اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ (31)
بیشک وہ ہی حکمت والا علم والا ہے	انہوں (ابراہیمؑ) نے کہا	پھر تمہارا کیا مدعا ہے	اے بھیجے ہوئے لوگو

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ	اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ (32)	لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ	حِجَارَةً	مِّنْ طِيْنٍ ۙ (33)
ان لوگوں نے کہا بیشک ہم بھیجے گئے ہیں	ایک مجرم قوم کی طرف	تاکہ ہم چھوڑیں ان پر	کچھ ایسے پتھر جو	گارے سے ہوں

مُّسَوَّمَةً	عِنْدَ رَبِّكَ	لِلْمُسْرِفِيْنَ (34)	فَاَخْرَجْنَا	مَنْ كَانَ فِيْهَا
نشان لگے ہوئے	آپؐ کے رب کے پاس	حد سے بڑھنے والوں کے لیے	پھر ہم نے نکالا	اس کو جو تھا اس (بستی) میں

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾	فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا	غَيْرَ بَيْتٍ	مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾
ایمان لانے والوں میں سے	تو ہم نے نہیں پایا اس میں	سوائے ایک گھر کے	فرمانبرداری کرنے والوں میں سے

وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً	لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ	الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾
اور ہم نے چھوڑی اس میں ایک نشانی	ان لوگوں کے لیے جو خوف کھاتے ہیں	دردناک عذاب سے

نوٹ:1

اس سورہ میں اب تک جو دعوے مذکور ہیں' اب (آیات۔24 تا46) ان کے حق میں تاریخی شہادت پیش کی جارہی ہے۔قرآن کا یہ عام اصول ہے کہ وہ عقلی و انفسی دلائل کے پہلو بہ پہلو تاریخی شواہد بھی پیش کرتا ہے تاکہ مخاطب کے سامنے بات اچھی طرح مبرہن بھی ہو جائے اور اگر دلوں کے اندر اثر پذیری کی کچھ رمق ہو تو ان سے لوگ عبرت بھی حاصل کریں۔ان شہادتوں میں تین پہلو ملحوظ ہیں۔ایک یہ کہ جن قوموں کی ہلاکت بیان ہوئی ہے ان کی تباہی میں بادل اور ہوا کے تصرفات کو خاص دخل رہا ہے۔اس پہلو سے یہ واقعات گویا ان قسموں کی تصدیق ہیں جو اس سورہ کے شروع میں کھائی گئی ہیں۔دوسرا یہ کہ ان میں جزا اور سزا دونوں پہلو نمایاں ہوئے ہیں، جو فرشتے حضرت لوطؑ کی قوم کے لیے عذاب لے کر آئے تھے، وہی حضرت ابراہیمؑ کے لیے اولاد کی بشارت لے کر آئے تھے۔تیسرا یہ کہ اللہ کی گرفت بالکل بے پناہ ہے۔کوئی قوم کتنی ہی زور آور ہو،لیکن اللہ تعالیٰ جب اس کو فنا کرنا چاہتا ہے تو چشم زدن میں فنا کر دیتا ہے۔(تدبر قرآن)

نوٹ:2

آیت۔34 اور 35 کے درمیان یہ قصہ چھوڑ دیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس سے یہ فرشتے کس طرح حضرت لوطؑ کے ہاں پہنچے اور وہاں ان کے اور قومِ لوطؑ کے درمیان کیا کچھ پیش آیا۔یہ تفصیلات سورۂ ھود، الحجر اور العنکبوت میں گزر چکی ہیں۔یہاں صرف آخری وقت کا ذکر ہے جب اس قوم پر عذاب نازل ہونے والا تھا۔(تفہیم القرآن)۔فرشتوں کی بات آیت۔34۔پر ختم ہوگئی ہے۔اب آگے کی سرگزشت خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ اس کے بعد اس نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔(تدبر قرآن)۔آیت۔37۔میں نشانی سے مراد بحیرۂ مردار ہے جس کا جنوبی علاقہ آج بھی ایک عظیم الشان تباہی کے آثار پیش کر رہا ہے۔(تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (38 تا46)

ترجمہ

وَفِيْ مُوْسٰٓى	اِذْ اَرْسَلْنٰهُ	اِلٰى فِرْعَوْنَ	بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾
اور (ہم نے چھوڑی ایک نشانی) موسیٰؑ میں	جب ہم نے بھیجا انؑ کو	فرعون کی طرف	ایک واضح دلیل کے ساتھ

فَتَوَلّٰى	بِرُكْنِهٖ	وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾
تو اس (فرعون) نے منہ موڑا	اپنے سہاروں (لشکر) کے ساتھ	اور اس نے کہا (یہ) جادوگر ہے یا مجنون ہے

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ	فَنَبَذْنٰهُمْ	فِي الْيَمِّ	وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾
پھر ہم نے پکڑا اس کو اور اس کے لشکروں کو	تو ہم نے پھینک دیا ان سب کو	پانی میں	اس حال میں کہ وہ خود کو ملامت کرنے والا تھا

وَفِیۡ عَادٍ	اِذۡ اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمُ	الرِّیۡحَ الۡعَقِیۡمَ ﴿۴۱﴾	مَا تَذَرُ
اور (ایک نشانی) عاد میں	جب ہم نے بھیجا ان پر	بے برکت سخت ہوا (آندھی) کو	وہ نہیں چھوڑتی

مِنۡ شَیۡءٍ	اَتَتۡ عَلَیۡهِ	اِلَّا	جَعَلَتۡهُ	کَالرَّمِیۡمِ ﴿۴۲﴾
کسی بھی چیز کو	وہ پہنچی جس پر	سوائے اس کے کہ	وہ کر دیتی اس کو	بوسیدہ چیز کی طرح

وَفِیۡ ثَمُوۡدَ	اِذۡ قِیۡلَ لَهُمۡ	تَمَتَّعُوۡا	حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۴۳﴾	فَعَتَوۡا
اور (ایک نشانی) ثمود میں	جب کہا گیا ان لوگوں سے	تم لوگ فائدہ اٹھالو	ایک وقت تک	پھر انہوں نے سرتابی کی

عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهِمۡ	فَاَخَذَتۡهُمُ	الصّٰعِقَةُ	وَهُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ ﴿۴۴﴾	فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا
اپنے رب کے حکم سے	پھر پکڑا ان کو	آسمانی بجلی نے	اس حال میں کہ وہ دیکھتے تھے	تو وہ لوگ قدرت نہیں رکھتے تھے

مِنۡ قِیَامٍ	وَّمَا کَانُوۡا	مُنۡتَصِرِیۡنَ ﴿۴۵﴾	وَقَوۡمَ نُوۡحٍ
کسی طرح کھڑے ہونے کی	اور وہ لوگ نہیں تھے	بدلہ لینے والے	اور (ہم نے ہلاک کیا) نوحؑ کی قوم کو

مِّنۡ قَبۡلُ ؕ	اِنَّهُمۡ کَانُوۡا	قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴿۴۶﴾
اس سے پہلے	یقیناً وہ تھے	ایک نافرمانی کرنے والی قوم

نوٹ: 1

آیت۔43۔ میں ہے کہ ایک وقت تک مزے کرلو۔ اس بارے میں دو رائے ہیں کہ اس سے کون سی مہلت مراد ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہ سورہ ہود کی اُس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ جب ثمود کے لوگوں نے اونٹنی کو ہلاک کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو خبردار کر دیا گیا کہ تین دن تک مزے کرلو، اس کے بعد تم پر عذاب آئے گا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ بات حضرت صالحؑ نے اپنی دعوت کے آغاز میں اپنی قوم سے فرمائی تھی کہ تم اگر توبہ و ایمان کی راہ اختیار نہ کرو گے تو ایک خاص وقت تک ہی عیش کرنے کی مہلت نصیب ہو سکے گی، اس کے بعد تم پر عذاب آجائے گا۔ دوسری رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ آگے کی آیت میں ہے کہ انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی۔ یہ بات بتاتی ہے کہ جس مہلت کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے وہ سرتابی سے پہلے دی گئی تھی اور انہوں نے سرتابی اس تنبیہہ کے بعد کی۔ اس کے برعکس سورہ ہود والی آیت میں جس مہلت کا ذکر کیا گیا ہے وہ ان کی طرف سے آخری اور فیصلہ کن سرتابی کا ارتکاب ہو جانے کے بعد دی گئی تھی۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (47 تا 60)

ترکیب

(آیت۔47)۔ وَالسَّمَآءَ حالت نصب میں ہے۔ اس کا مفعول مقدم ماننے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ فعل بَنَیۡنٰهَا کے ساتھ ضمیر مفعولی هَا لگی ہوئی ہے۔ اس لیے اس سے پہلے کسی فعل کو محذوف ماننا بہتر ہے۔ ہماری ترجیح یہ ہے کہ تَنَظَّرْ (بتکلف غور سے دیکھ) کر محذوف مانا جائے۔ یَدٌ (ہاتھ) کی جمع بھی اَیۡدٍ آتی ہے۔ (دیکھیں آیت۔2/البقرۃ:66، مادہ ''ی دی'')۔ جبکہ اَیۡدٌ (مضبوطی۔قوت) سے لکھا جاتا ہے یعنی اَیۡدٍ کے بجائے اَیۡیدٍ لکھتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ یَدٌ کی جمع نہیں ہے بلکہ اَیۡدٌ حالت جرّ میں ہے۔ (آیت۔59)۔ یہاں ذَنُوۡبٌ نہیں بلکہ ذَنُوۡبٌ آیا ہے جو مبالغہ کے وزن فَعُوۡلٌ پر ہے۔ (دیکھیں آیت۔3/آل عمران: 11، مادہ ''ذ ن ب'')۔ فَلَا یَسۡتَعۡجِلُوۡنِ میں نون کی کسرہ بتا رہی ہے کہ یہ نون وقایہ ہے اور لَا یَسۡتَعۡجِلُوۡا فعل نہی ہے۔

ترجمہ

6744

وَالسَّمَآءَ	بَنَيْنٰهَا	بِاَيْىدٍ	وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾
اور (بغور دیکھو) آسمان کو	ہم نے بنایا اس کو	قوت سے	اور بیشک ہم یقیناً کشادہ کرنے والے ہیں

وَالْاَرْضَ	فَرَشْنٰهَا	فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾	وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ
اور (بغور دیکھو) زمین کو	ہم نے بچھایا اس کو	تو ہم کیا ہی اچھا بچھانے والے ہیں	اور ہر چیز میں سے

خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ	لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾	فَفِرُّوْٓا	اِلَى اللّٰهِ ؕ	اِنِّيْ لَكُمْ
ہم نے پیدا کیے جوڑے جوڑے	شاید تم لوگ یاددہانی حاصل کرو	تو تم لوگ لپکو	اللہ کی طرف	بیشک میں تمہارے لیے

مِّنْهُ	نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ ج	وَلَا تَجْعَلُوْا	مَعَ اللّٰهِ	اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ	اِنِّيْ لَكُمْ
اس (کی طرف) سے	ایک واضح خبردار کرنے والا ہوں	اور تم لوگ مت بناؤ	اللہ کے ساتھ	دوسرا الٰہ	بیشک میں تمہارے لیے

مِّنْهُ	نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ ج	كَذٰلِكَ	مَآ اَتَى الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِهِمْ	مِّنْ رَّسُوْلٍ
اس (کی طرف) سے	ایک واضح خبردار کرنے والا ہوں	اسی طرح	نہیں پہنچا ان کے پاس جو	ان لوگوں سے پہلے تھے	کوئی بھی رسول

اِلَّا قَالُوْا	سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ ج	اَتَوَاصَوْا	بِهٖ ج	بَلْ هُمْ	قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ ج
مگر (یہ کہ) اُن لوگوں نے کہا	جادوگر ہے یا مجنون ہے	کیا وہ ایک دوسرے کو وصیت کر گئے	اس کی	بلکہ وہ لوگ	ایک سرکشی کرنے والی قوم تھے

فَتَوَلَّ	عَنْهُمْ	فَمَآ اَنْتَ	بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ ق	وَّذَكِّرْ	فَاِنَّ الذِّكْرٰى
پھر آپؐ بے رخی برتیں	اِن لوگوں سے	تو آپؐ نہیں ہوں گے	ملامت کیے ہوئے	اور آپؐ نصیحت کرتے رہیں	تو بیشک نصیحت

تَنْفَعُ	الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾	وَمَا خَلَقْتُ	الْجِنَّ وَالْاِنْسَ	اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾
نفع دیتی ہے	ایمان لانے والوں کو	اور میں نے نہیں پیدا کیا	جنوں کو اور انسانوں کو	سوائے اس کے کہ وہ بندگی کریں میری

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ	مِّنْ رِّزْقٍ	وَّمَآ اُرِيْدُ	اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾	اِنَّ اللّٰهَ
میں نہیں چاہتا ان سے	کوئی بھی رزق	اور میں نہیں چاہتا	کہ وہ کھلائیں مجھ کو	یقیناً اللہ

هُوَ الرَّزَّاقُ	ذُو الْقُوَّةِ	الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾	فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
ہی مسلسل رزق دینے والا ہے	قوت والا ہے	مضبوط ہے	تو بیشک ان کے لیے جنہوں نے ظلم کیا

ذَنُوْبًا	مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ	فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾
ایک بھیانک انجام ہے	ان کے ساتھیوں کے بھیانک انجام کی مانند	پس چاہیے کہ یہ لوگ جلدی نہ مانگیں مجھ سے

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا	مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ	يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع
تو تباہی ہے ان کے لیے جنہوں نے انکار کیا	ان کے اس دن سے جس کا	ان کو وعدہ دیا جاتا ہے

نوٹ: 1 آیت۔ 47۔ کا مطلب یہ ہے کہ اس عظیم کائنات کو ہم بس ایک بار بنا کر نہیں رہ گئے ہیں بلکہ ہم اس میں مسلسل توسیع کر رہے ہیں۔ اور ہر آن اس میں ہماری تخلیق کے نئے نئے کرشمے رونما ہو رہے ہیں۔ ایسی زبردست خلاق ہستی کو آخر تم اعادۂ خلق سے عاجز کیوں

سمجھتے ہو۔(تفہیم القرآن) آج کل کے سائنس دن (Expanding Universe) کی بات کررہے ہیں۔اس آیت 1744 میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔(حافظ احمد یار صاحب)

نوٹ:2 آیت۔49۔آخرت کی بدیہی دلیل ہے۔ تَذَكَّرُوْنَ کے الفاظ سے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اس دنیا میں ہر چیز کا جوڑے جوڑے ہونا اس امر کی یاددہانی کراتا ہے جب اس دنیا کی ہر چیز جوڑا جوڑا ہے اور ہر چیز اسے جوڑے کے ساتھ مل کر اپنی غایت کو پہنچتی ہے، تو ضروری ہے کہ اس دنیا کا بھی جوڑا ہو، تاکہ اس میں جو خلا نظر آتا ہے وہ اس جوڑے کے ساتھ مل کر بھر جائے۔ یہ جوڑا آخرت ہے۔ آخرت کو مان لینے کے بعد یہ دنیا ایک بامقصد اور باحکمت چیز بن جاتی ہے اور آخرت کو نہ مانیئے تو ایک بالکل باطل اور رعبث چیز ہوکر رہ جاتی ہے۔(تدبر قرآن)۔

نوٹ:3 آیت۔54۔میں دین کی تبلیغ کا ایک قاعدہ بیان کیا گیا ہے۔اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ایک داعی جب کسی شخص کے سامنے معقول دلائل کے ساتھ اپنی دعوت صاف صاف پیش کردے اور اس کے شبہات، اعتراضات اور دلائل کا جواب بھی دے دے تو حق واضح کرنے کا جو فرض اس کے ذمہ تھا اس سے وہ سبکدوش ہوجاتا ہے۔وہ شخص نہیں مانتا تو نہ مانے۔اب اس کی طرف التفات نہ کرنے پر داعی کو یہ الزام نہیں دیا جاسکتا کہ تم نے ایک شخص کو گمراہی میں مبتلا رہنے دیا، کیونکہ اب اپنی گمراہی کا وہ شخص خود ذمہ دار ہے۔ہوتا یہ ہے کہ ایک داعی جب سمجھانے کا حق ادا کرچکتا ہے اور ان کے اندر جھگڑالوپن کے آثار دیکھ کر ان سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے تو وہ اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اس پر الزام رکھتے ہیں کہ ہم آپ سے بات سمجھنے کے لیے بحث کرنا چاہتے ہیں اور آپ ہماری طرف التفات نہیں کرتے۔حالانکہ ان کا مقصد بات کو سمجھنا نہیں بلکہ داعی کو بحث میں الجھا کر اس کا وقت ضائع کرنا ہوتا ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرمادیا کہ ایسے لوگوں کی طرف التفات نہ کرو اور ان سے بےالتفاتی کرنے پر تمہیں کوئی ملامت نہیں کی جاسکتی۔

آگے آیت۔55 میں تبلیغ دین کا دوسرا قاعدہ بیان کیا گیا ہے۔دعوتِ حق کا اصل مقصد ان سعید روحوں تک ایمان کی نعمت پہنچانا ہے جو اس نعمت کی قدر شناس ہوں اور اسے خود حاصل کرنا چاہیں۔مگر داعی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ معاشرے کے ہزاروں لاکھوں افراد میں وہ سعید روحیں کہاں ہیں۔اس لیے اس کا کام یہ ہے کہ اپنی دعوت کا سلسلہ جاری رکھے تاکہ جہاں جہاں ایمان قبول کرنے والے افراد موجود ہوں وہاں اس کی آواز پہنچ جائے۔انہی کی تلاش اس کا اصل کام ہے۔اس تلاش میں معاشرے کا فضول عنصر بھی اس کو ملے گا۔اس کی طرف بس اسی وقت تک داعی کو توجہ کرنی چاہیے جب تک اسے یہ نہ معلوم ہوجائے کہ ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔یعنی ان کے اندر حق کی تلاش کا جذبہ مفقود ہے، پھر داعی کو اپنا وقت اس جنس کے لوگوں پر ضائع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ اُس کی تذکیر سے نفع اٹھانے والے لوگ نہیں ہیں۔ایسے لوگوں پر وقت صرف کرنے سے نقصان اُن لوگوں کا ہوتا ہے جو اس سے نفع اٹھانے والے ہیں۔(تفہیم القرآن)۔

نوٹ:4 آیت۔56۔کی مراد یہ ہے کہ ہم نے ان کی تخلیق اس انداز پر کی ہے کہ ان میں عبادت کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہو۔چنانچہ ہر جن وانس کی فطرت میں یہ استعداد قدرتی طور پر موجود ہے۔پھر کوئی اس استعداد کو صحیح مصرف میں خرچ کرکے کامیاب ہوتا ہے اور کوئی اس استعداد کو اپنی خواہشات میں ضائع کردیتا ہے۔اس کی مثال وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنادیتے ہیں یا مجوسی۔(معارف القرآن)۔

اس آیت میں عبادت کا لفظ محض نماز روزے اور اس نوعیت کی دوسری عبادات کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیا ہے کہ کوئی شخص اس کا مطلب یہ لے لے کہ جن اور انسان صرف نماز پڑھنے، روزے رکھنے اور تسبیح وتہلیل کرنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔اگرچہ یہ مفہوم بھی اس میں شامل ہے مگر یہ اس کا پورا مفہوم نہیں ہے۔اس کا پورا مفہوم یہ ہے کہ جن اور انسان اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش، اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے پیدا نہیں کیے گئے ہیں۔ان کا کام کسی اور کے بنائے ہوئے دین (نظامِ حیات) کی پیروی کرنا، کسی اور کو اپنی قسمتوں کو بگاڑنے اور

بنانے والا سمجھنا اور کسی دوسری ہستی کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلانا نہیں ہے۔(تفہیم القرآن)۔

ایک اطاعت وہ بھی ہے جو بدرجہ مجبوری اور بے دلی سے کی جاتی ہے۔ یہ غلامی ہے، بندگی نہیں ہے۔ جب کسی ہستی کے احسانات اور اس کی جود وسخا کے احساس سے انسان کے اندر سے ایک جذبۂ شکر پھوٹ بہتا ہے، پھر انسان اس جذبہ میں ڈوب کر اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اس ہستی سے محبت کرتا ہے اور اسی جذبے سے پوری دلی آمادگی کے ساتھ دل وجان سے اس کی اطاعت کرتا ہے، تو یہ بندگی ہے، یہ عبادت ہے۔ عبادت کی یہ استعداد انسان کی فطرت میں Inbuilt ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس فطری بیٹری کو چارج کیا جائے اور پھر چارج رکھا جائے۔ جس طرح سیل فون کو ہم وقفہ وقفہ سے چارجر پر لگاتے رہتے ہیں۔ نماز، روزہ، تسبیح وتہلیل وغیرہ اس بیٹری کے چارجر ہیں۔

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاۃ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کار خیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول ومنظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب

کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: info@khuddam-ul-quran.com, www.khuddam-ul-quran.com

0412437781,0412437618,03217805614

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد